سانپ کی آستین
اشتیاق احمد

اشتیاق احمد

pk7e@hotmail.com اردو فینز کے لیئے

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام ناول ـــــ سانپ کی آستین

طابع ـــــ اشتیاق احمد

کتابت ـــــ سعید تاجدار

سرورق ـــــ [illegible]

قانونی مشیر ـــــ نسیم احمد ایڈووکیٹ

مطبع ـــــ لالہ عبدالرشید پرنٹرز

قیمت ـــــ 30 روپے

سالانہ قیمت ـــــ [illegible] روپے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت نہ ہوگی، یہاں تک کہ تم ایک قوم سے لڑوگے کہ ان کی جوتیاں بالوں کی ہوں گی اور قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ لڑوگے تم ایک قوم سے کہ منہ ان کے مثل ڈھالوں کے تہ بہ تہ ہوں گے۔ (ترمذی)

○

حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ نکلے گی ایک آگ حضرت موت سے یا یہ فرمایا کہ نکلے گی حضرت موت کے دریا کی طرف سے آگ کہ روزِ قیامت سے پہلے جمع کر دے گی لوگوں کو۔ عرض کیا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا حکم فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لازم پکڑو تم شام کی سکونت کو۔

(ترمذی)

دو باتیں

السلام علیکم!

اس ماہ کی دو باتیں حاضر ہیں۔ یہ جملہ تو لکھ گیا، اب سوچ رہا ہوں۔ کیا خاک حاضر ہیں، ذہن میں تو کچھ بھی نہیں، لکھوں کیا۔ لکھنی تو دو باتیں ہیں اور بات ایک بھی نہیں سوجھ رہی۔ وحشت تیرے کی۔ یہ ہے ایک ناول نگار کی حالت۔ جو ۱۴۰۰ صفحات کا خاص نمبر تو لکھ سکتا ہے، لیکن چند صفحات کی دو باتیں لکھتے وقت سر پیٹنے لگتا ہے۔ ارے ہاں یاد آیا۔ چلیے انتخابات پر بات کر لیتے ہیں، لیکن اس کے سوا کیا بات کر سکتا ہوں کہ انتخابات ہو چکے ہیں، ملک کو اب ایک نئی قیادت مل گئی۔ دعا کریں کہ وہ قیادت ایک ایسی قیادت ہو جو صرف اور صرف ملک کے مفاد کو سامنے رکھ کر کام کرے اور ایسے لوگوں کو نکال باہر پھینکے جو ملک کے دشمن ہیں۔ جو ملک کی جڑیں کاٹنے کے چکر میں رہتے ہیں، جڑیں کاٹنے والے ان لوگوں سے ہوشیار رہنے کی بھی بہت

ضرورت ہے۔ خاص طور پر بڑی طاقتوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ بڑی طاقتیں ہر نئی حکومت کو اپنے دام میں پھانسنے کے چکر میں رہتی ہیں۔ خیر ہمارے صاحب اختیار لوگ ان باتوں سے ہم سے اچھی طرح واقف ہیں، لہٰذا ہم یہ باتیں کیسے کر سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ دو باتیں میں ان باتوں کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ مطلب یہ ہوا کہ میں اس بات سے دو باتیں کا کام نہیں چلا سکتا۔ مجھے کوئی اور راستا دیکھنا ہو گا۔ سوال یہ ہے کہ کوئی اور راستا کیا ہو؟

ہاں یاد آیا، اس مرتبہ ایک عیسائی کا خط موصول ہوا ہے، کہنے کو وہ ایک دھمکی آمیز خط ہے۔ ان صاحب نے زبان اس قسم کی استعمال کی ہے کہ خط نقل تو کیا، ہی نہیں جا سکتا۔ وہ جو چاہتے ہیں، وہ تحریر کر دیتا ہوں۔ انھوں نے مجھے خبردار کیا ہے کہ اگر میں نے آئندہ اپنی کتابوں کے آخر میں چند سوال عیسائیوں سے والا سلسلہ شائع کیا تو وہ مجھے کلاشن کوف سے اڑا دیں گے۔ خط میرے پاس محفوظ ہے۔ اور میں ان سے صرف یہ معلوم کرنا چاہوں گا کہ اس اسلامی ملک میں عیسائیت کی تبلیغ کھلے بندوں کر سکتے ہیں۔ اور میں ان

ہے کوئی سوال تک نہیں پوچھ سکتا ۔ بہت خوب ، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ سب کچھ کرنے کے لیے آزاد ہیں ، وہ کچھ میرے ملک میں ۔ اور ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے ۔ اپنے ملک میں ۔ اگر کریں گے تو کلاشن کوفوں سے اڑا دیے جائیں گے ۔

ان حالات میں تو پھر کلاشن کوفوں سے اڑ جانا بہتر ہے ۔ آپ لوگوں کا اس بارے میں کیا خیال ہے ۔ ان لوگوں کی عیسائیت کی تبلیغ کھلے بندوں جاری رہنی چاہیے یا بند ہونی چاہیے ۔ اب نئی حکومت بن گئی ہے ، آپ کے منتخب کردہ ممبر قومی اسمبلی میں آ چکے ہیں ۔ ان سے مطالبہ کیا جانا چاہیے کہ عیسائیت نے بہت پر پرزے نکال لیے ہیں ، اگر ان کے پر کاٹ نہ ڈالے گئے تو نتائج بہت ہولناک ہوں گے ۔

قرآن کریم کا ارشاد میں پہلے بھی دو باتوں میں لکھ چکا ہوں ، ایک پھر لکھے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

" یہود و نصاریٰ تم سے ہرگز راضی نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ان کی تابع داری نہ کرو ۔ "

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا :

" اے ایمان والو ! یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ ۔ "

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو جزیرۂ عرب سے انہیں نکالنے کا حکم دیں اور ہم انہیں اپنے ملک میں کھلے بندوں تبلیغ کرنے کی اجازت دیں اور پھر ان کی دھمکیاں بھی سنیں ۔ غور فرمائیں ، اب یہ لوگ دھمکیاں دینے پر بھی اتر آئے ۔

ادھر سعودی عرب میں امریکی فوج کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ عراق کی طرف سے حملے کی صورت میں ان کا بچاؤ کریں ۔ امریکی فوج میں یہودی بھی شامل ہیں ۔ بلکہ جس امریکی کمانڈر کو سعودی عرب بھیجا گیا ہے ، اسے بھی یہودی بتایا جاتا ہے ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انہیں جزیرۂ عرب سے نکال دو ، لیکن ہمارے عرب حکمرانوں نے خود آنے کی دعوت دی ہے ۔ اُف اللہ !

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے پہلے خانہ کعبہ کے مقابلے میں کعبہ بنایا تھا ۔ اور خانہ کعبے پر چڑھائی کی تھی ، لیکن اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کو بھیج کر ان لوگوں کو تہس نہس کر دیا تھا ۔

یہ وہی تو ہیں جنہوں نے نورالدین زنگی کے دور میں یہ سازش کی تھی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو نکالا جائے ۔ منصوبے کے مطابق دو نصرانیوں کو نماز سکھائی گئی ، داڑھی رکھوائی گئی اور ہزاروں اشرفیاں دے کر مدینہ منورہ روانہ کیا گیا ۔ حضور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں نورالدین زنگی کو
اشارہ کیا اور اس طرح یہ سازش پکڑی گئی ۔
آپ نے ملاحظہ فرمایا ، یہ لوگ کس حد تک خطرناک ہیں ،
ان کی تبلیغ ہمارے ملک کے لیے کتنی خطرناک ہے ۔ لہٰذا
اس طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے ۔

اکثر ٹی وی پروگرام پہلے بھی اسلام کا مذاق اڑاتے رہے
ہیں ۔ اب جب کہ نئی حکومت آچکی ہے ۔ لہٰذا اس طرف
توجہ کی شدید ضرورت ہے کہ اسلام کے منافی کوئی پروگرام
نہ دکھایا جا سکے ۔ فیصل آباد سے حیدر علی صاحب نے توجہ
دلائی ہے کہ ۲۱ اکتوبر بروز اتوار رات آٹھ بجے ایک ڈراما
دھوپ چھاؤں دکھایا گیا ۔ اس میں ایک آدمی نے دو سگی
بہنوں سے شادی کی ۔ ایک ہی وقت میں ۔ اور اس
شخص کو مسلمان دکھایا گیا ہے ۔ اس قسم کی حرکات جان
بوجھ کر کی جاتی ہیں ۔ تاکہ اسلامی اقدار مسخ ہو کر رہ جائیں ۔

ایک شہر کے گورنمنٹ کالج فار ویمن سے ایک بچی کا درد بھرا
خط موصول ہوا ہے ۔ انھوں نے اپنے کالج میں ملک دشمن
اور اسلام دشمن سرگرمیوں کی طرف توجہ دلائی ہے ۔ میں نے
ان کا خط ان لوگوں تک پہنچا دیا ہے ، جن تک وہ پہنچانا
کی رہنے دیں ۔

ان کے لیے یہی مناسب ہے ۔

یہ دو باتیں ابھی لکھ رہا تھا کہ ایک اور تراشہ ہاتھ لگا ۔
اس تراشے میں ایک اور چونکا دینے والی بات لکھی گئی
ہے ۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں :

" اسرائیل کی ناپاک جسارت اور امریکہ

ایک اخباری اطلاع کے مطابق اسرائیلی پارلیمنٹ کی عمارت
پر یہودی سلطنت کے نقشے میں دجلہ اور فرات کی وادی
کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ کو بھی شامل کیا گیا ہے ۔ یہ دعویٰ
یہودیوں کی عالمی تنظیم کے صدر نے یہودیوں کے دو سو سالہ
جشن کی تقریبات میں اسرائیلی پارلیمنٹ کی عمارت پر
یہودی ریاست کے نقشے کی نقاب کشائی کرتے ہوئے کیا ۔
جہاں تک اسرائیل کا تعلق ہے ، وہ اپنی سلطنت کی حدود
میں مسلسل توسیع کا قائل ہے ، اس لیے وقفے وقفے سے عربوں
کے خلاف جنگ شروع کر کے ان کے علاقے ہتھیاتا چلا جا
رہا ہے ۔ اس نے پورے بیت المقدس پر قبضہ کر کے اسے
اپنا دارالحکومت بنا لیا ہے ۔ مدینہ منورہ کو مستقبل کی یہودی
ریاست کا حصہ قرار دینا اور امریکہ کی طرف سے یہودیوں کے
اس دعوے کی تائید دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے ایک چیلنج
ہے اور اس حوالے سے پاکستان کی متعدد سیاسی اور مذہبی

جماعتوں کی طرف سے خلیج کے علاقے سے امریکی فوجوں کی واپسی کا مطالبہ اپنے اندر خاصا وزن رکھتا ہے۔ اسرائیل امریکہ کا لگایا ہوا پودا ہے اور وہ اسے عربوں کے خلاف ایک ایسی طاقت میں بدل چکا ہے، جس سے عربوں کی سلامتی ہر وقت خطرے میں ہے۔ دُنیا بھر کے مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اسرائیل اور امریکہ کی اس اسلام دشمنی کے خلاف آواز اٹھائیں۔ عرب ممالک کا یہ فرض ہے کہ وہ خلیج کی موجودہ صورتحال اور عراق کویت تنازعے کو مل جل کر حل کرنے کی کوشش کریں تاکہ امریکی مداخلت ختم ہو سکے۔ خدانخواستہ جنگ کی صورت میں عربوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔ امریکی مداخلت کے نتیجے میں یہ خطہ جنگ کا اکھاڑہ بن سکتا ہے، جس کے نتیجے میں اس خطے کے قریب دوسرے مسلمان ممالک بھی محفوظ نہ رہ سکیں گے۔"

قارئین آپ نے پڑھا۔ حالات کس حد تک نازک اور سنسنی خیز ہیں، آپ سمجھ ہی سکتے ہیں۔ ان حالات میں بھی اگر ہم امریکہ کو اپنا دوست اور ہمدرد خیال کرتے رہے تو یہ احمقوں کی جنت میں بسنے والی بات ہوئی۔

لیجیے دو باتیں کسی حد تک پوری ہو ہی گئیں۔ آئندہ ماہ پھر دیکھا جائے گا ــــ شکریہ!

غلطی ہو گئی

وزیرِ خارجہ کی کوٹھی کو آج دُلہن کی طرح سجایا گیا تھا ــــ آج یہاں ایک خاص پروگرام تھا۔ ان کا بیٹا دس سال بعد اپنے گھر لوٹ رہا تھا۔ دس سال پہلے وہ ملک سے باہر چلا گیا اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہی اس نے واپس آنے کا پروگرام بنایا تھا، درمیان میں وہ ایک بار بھی نہیں آیا تھا، اگرچہ اس دوران اس کی والدہ بھی وفات پا گئیں اور وزیرِ خارجہ صاحب نے دُوسری شادی بھی کر لی تھی، لیکن یہ حادثات بھی اسے چند دن کے لیے وطن آنے پر مجبور نہ کر سکے۔ باپ نے بہت خط لکھے، ماں نے بھی اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اس کے آ جانے کی دُعائیں کیں، لیکن اسے نہ آنا نہ آیا۔ ہر بار وہ ایک ہی جواب دیتا:

"میں ایک ہی بار آؤں گا، پھر پردیس نہ جانے

کے لیے۔"

والدہ دُوسری دُنیا کو سدھار گئیں، باپ نے صبر کر لیا اور بیٹے کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ وزیرِ خارجہ کے ہاں بڑے بیٹے کے علاوہ دو بیٹے اور ایک بیٹی اور تھے۔ ان میں سے کسی نے مُلک سے باہر جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

آج کا پروگرام تھا تو بیٹے کے آنے کی خوشی میں، لیکن وزیرِ خارجہ صاحب نے دراصل ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔ انھوں نے چند غیر مُلکی دوستوں کو بھی بلایا تھا۔ ایسے دوستوں کو جن کا تعلق مُلکی معاملات سے تھا، انھوں نے پروگرام یہ ترتیب دیا تھا کہ دعوت کے بعد ان آفیسرز سے ایک خفیہ میٹنگ کی جائے گی جس میں چند مُلکی مسائل طے کیے جائیں گے۔

ان دنوں مُلک کے حالات بہت خراب تھے، حالات کو خراب کرنے میں کچھ دوسرے ملکوں کا ہاتھ تھا اور اس میٹنگ میں انھی ملکوں کے نمایندوں سے بات چیت کا پروگرام ترتیب دیا گیا تھا، لیکن وزیرِ خارجہ نے اس بات کا اعلان نہیں کیا تھا، نہ آنے والے آفیسرز کو معلوم یہ احتیاط اس لیے کی گئی تھی کہ غیر مُلکی طاقتوں کے کان کھڑے نہ ہو جائیں، کیونکہ کھڑے ہونے کے سلسلے میں ان کے کان بہت تیز واقع ہوتے تھے۔

وزیرِ خارجہ صاحب کو یہ خوف بھی تھا کہ اس پروگرام کی بھنک کہیں کسی غلط آدمی یا ملک کے کان میں نہ پڑ جائے اور وہ رنگ میں بھنگ نہ ڈال دے۔ یا کارروائی سُننے کی کوشش نہ کر ڈالی جائے۔ لہٰذا انھوں نے یہ کام انسپکٹر جمشید کو سونپا تھا۔ ان کی ڈیوٹی یہ تھی کہ کوئی غلط آدمی اندر نہ آنے پائے۔

وُہ اس وقت کوٹھی کے دروازے پر چوکس کھڑے تھے، ان کے سامنے محمود، فاروق اور فرزانہ کھڑے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے عملے کی بجائے محمود، فاروق اور فرزانہ کو ساتھ رکھنا پسند کیا تھا۔ اچانک انھوں نے خان رحمان کی کار کو آتے دیکھا، ان کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی، ادھر کار پارکنگ انچارج نے خان رحمان کو اشارہ دیا کہ کار کس طرف لے جانی ہے۔ خان رحمان پہلے تو ادھر گئے، پھر کار سے اُتر کر دروازے کی طرف بڑھے۔ ساتھ ہی وہ چونک اُٹھے:

"اوہو! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

"السلام علیکم انکل۔ آپ دراصل ہمیں دیکھ رہے ہیں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"اور یہ دراصل کہاں سے ٹپک پڑا؟" خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کتنی بار تو روکا ہے انکل۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"کسے۔ کیا مجھے؟" وہ چونکے۔

"جی نہیں۔ فاروق کو۔ کہ بلا وجہ جملے میں دراصل نہ گھسیڑا کرے۔"

"خیر۔ اب تو ایسا ہو گا۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ تو آج تم لوگوں کی دروازے پر ڈیوٹی ہے۔"

"صرف دروازے پر نہیں انکل۔" محمود مسکرایا۔

"تو پھر۔ مجھے تو تم لوگ صرف دروازے پر ہی نظر آ رہے ہو۔" انھوں نے صرف پر زور دیا۔

"تمام مہمانوں کے آ جانے کے بعد دروازے بند کر کے ہم اندر بھی آ جائیں گے اور دعوت میں بھی شریک ہوں گے، بلکہ۔۔۔" انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

"بلکہ نے تمھیں آگے بات کرنے سے روک دیا کیا۔" خان رحمان مسکرایا۔

[illegible] ۔ محمود۔ تم اپنے انکل

کی تلاشی لو۔"

"کیا کہا۔ میری تلاشی۔ ارے بھئی یہ میں ہوں خان رحمان" انھوں نے گھبرا کر کہا۔

"میں جانتا ہوں خان رحمان، لیکن مشکل یہ ہے کہ شیخ خالد ابرار صاحب وزیرِ خارجہ کا حکم ہے کہ میں کسی کو بھی تلاشی کے بغیر اندر نہ آنے دوں۔"

"اوہ! تب تم ضرور تلاشی لو۔"

"ہم نے تلاشی کی بھی ایک خاص ترتیب قائم کی ہے۔ آپ کی تلاشی پہلے فاروق لے گا، پھر محمود اور اس کے بعد میں۔ ہاں خواتین کی تلاشی کے لیے صرف فرزانہ ہے۔"

"چلو کوئی بات نہیں۔ جس طرح بھی تلاشی لینی ہے۔ لے لو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ بھی اچھی بات ہے کہ تم خوش ہو کر تلاشی دے رہے ہو۔ ورنہ یہاں تو جو آ رہا ہے، منہ پھلا کر اندر جا رہا ہے۔"

"یار میں ان میں سے نہیں جو بات بے بات منہ پھلا لیتے ہیں۔"

فاروق نے ان کی تلاشی لی، پھر محمود نے اور اس کے بعد انسپکٹر جمشید نے۔ آخر وہ بولے:

"ایک پستول کے سوا تمھارے پاس کچھ نہیں ہے۔"

یہ میرے پاس جمع کرا دیں اور شوق سے اندر چلے جائیں۔"

"کیا کہا۔ یہ میں تمہارے پاس جمع کرا دوں۔ اور اگر اندر گڑبڑ ہو گئی تو؟"

"فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، جب تمام مہمان آ جائیں گے تو ہم بھی دروازے بند کر کے اندر آ جائیں گے۔ اور ہمارے پاس ہمارے پستول ہوں گے۔ صرف ہمارے پاس۔ اور پوری کوٹھی میں کسی کے پاس نہیں ہوں گے۔"

"یہ تم کس طرح کر سکتے ہو۔ مہمانوں کی تلاشی تو خیر تم لے لو گے۔ گھر کے افراد کا کیا کرو گے؟" خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں اتنا کچا نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ بات مجھے معلوم ہے۔" خان رحمان بولے۔

"تب پھر؟" وہ سوالیہ انداز میں بولے۔

"میں نے پوری کوٹھی کی تلاشی پہلے ہی لے لی ہے۔ اور گھر کے افراد کی بھی۔ اندر بھی کسی کے پاس کوئی پستول دستول نہیں ہے۔"

"اوہ! اس صورت میں تو میں خوشی سے پستول جمع کرا سکتا ہوں۔"

وہ پستول انہیں دے کر اندر کی طرف بڑھے ہی تھے کہ انھوں نے ایک آواز سنی:

"ہائیں۔ یہ کیا۔"

وہ چونک کر مڑے۔ پروفیسر داؤد اپنی کار سے اتر کر ادھر آ رہے تھے:

"میرا مطلب ہے۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں، تم مجھ سے پہلے ہی یہاں پہنچ گئے۔ اور جمشید تم بھی۔"

"مجھے اور ان تینوں کو تو خیر سب سے پہلے ہی یہاں آنا تھا۔ ہماری تو ڈیوٹی لگی ہے نا یہاں۔"

"ڈیوٹی۔ کیا مطلب؟"

"لیکن انکل۔ ڈیوٹی کا مطلب تو صرف ڈیوٹی ہی ہو سکتا ہے۔" فاروق بولا۔

"ہاں ہاں جانتا ہوں۔ تت۔ تو کیا تمہاری ڈیوٹی دروازے پر لگائی گئی ہے۔ یہ۔ یہ بہت زیادتی ہے۔"

"نہیں پروفیسر صاحب۔ کوئی بات نہیں۔ زیادتی کیسی۔ آخر میں حکومت کا ملازم ہوں۔ حکومت جہاں چاہے، مجھے لگا سکتی ہے، میں اعتراض کرنے والا کون ہوں۔"

"بھئی۔ یہاں تو سب انسپکٹر بلکہ حوالدار وغیرہ سے کام چل سکتا تھا۔"

" اندر ایک خاص میٹنگ بھی ہونے والی ہے ۔ میری ڈیوٹی دراصل اس وجہ سے لگائی گئی ہے کہ کوئی غیر ملکی ایجنٹ اس میٹنگ میں خلل ڈالنے کی کوشش نہ کرے۔"

" اوہ ! اس کا مطلب ہے۔ یہاں جاسوسی چکر چلنے کے بھی امکانات ہیں۔"

" ہاں بالکل۔"

" اوہ ۔ تب تو خیر ٹھیک ہے ۔ ورنہ میں تو ابھی اندر جا کر شیخ صاحب سے بات کرتا۔"

" جی نہیں ! اس کی ضرورت نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

" چلو بھئی ، پھر خان رحمان ۔ یہ بے چارے تو یہاں ٹھہریں گے۔"

" ہم بھی اندر آئیں گے ۔ فکر نہ کریں ، لیکن آپ ایسے نہیں جا سکتے۔"

" کیا مطلب ۔ میں ایسے اندر نہیں جا سکتا ۔ تو پھر کیسے اندر جا سکتا ہوں۔" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

" آپ کو تلاشی دے کر جانا ہو گا۔"

" تت ۔ تلاشی ۔ ارے باپ رے ۔ یہ میں کیا سُن رہا ہوں۔" انھوں نے بوکھلا کر کہا۔

" آپ وہی سُن رہے ہیں انکل ۔ جو تھوڑی دیر پہلے

انکل خان رحمان بھی سُن چکے ہیں۔"

" دھت تیرے کی۔" پروفیسر داؤد نے جھلا کر کہا۔

" جی کیا مطلب ۔ یہ آپ نے میرا تکیہ کلام کیوں چرایا۔"

" غلطی ہو گئی بھائی ۔ ہاں وہ تلاشی کی بات ہو رہی تھی۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

" فاروق پروفیسر انکل کی تلاشی لو۔"

" یار کم از کم تم تو مجھے انکل نہ کہو۔ اب میں اتنا بوڑھا بھی نہیں۔"

" میں نے انکل کا لفظ ان کے لیے بولا ہے۔"

" لیکن آخر تم ہماری تلاشی کیوں لو گے۔"

" اس لیے پروفیسر صاحب کہ یہ مجبور ہیں۔ وزیرِ خارجہ صاحب کا حکم بھی یہی ہے۔"

" ہائیں ! تو کیا انھوں نے تمھاری بھی تلاشی لی ہے ؟" پروفیسر بولے ۔

" ہاں اور کیا۔"

" تو ٹھیک ہے ۔ میں بھی تلاشی دے دیتا ہوں۔"

اب ان کی بھی تلاشی لی گئی اور ان کا پستول بھی لے لیا گیا۔

" آئیے پروفیسر صاحب چلیں۔"

"ان کے بغیر اندر مزا نہیں آئے گا۔ ہم یہیں ٹھہرتے ہیں بلکہ تلاشی لینے میں ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ آپ یہاں کھڑے ہو کر مہمانوں کی تلاشی لیں گے۔" انسپکٹر جمشید دھک سے رہ گئے۔

"کیوں! اس میں کیا حرج ہے۔ تم جو لے رہے ہو۔"

"میری تو ڈیوٹی ہے۔ سرکاری ملازم جو ہوا۔"

"اب جو بھی ہے۔ میں تم لوگوں کے بغیر اندر نہیں جاؤں گا۔"

"تب پھر میں بھی جا کر کیا کروں گا۔" خان رحمان مسکرائے۔

"حد ہو گئی یعنی کہ۔" انسپکٹر جمشید نے گڑبڑا کر کہا۔

اتنے میں اور کئی مہمان آ گئے۔ ان کی تلاشی شروع ہوئی، خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی تلاشی لینے کے لیے آگے بڑھے:

"ہائیں پروفیسر داؤد۔ یہ۔ یہ تو آپ ہیں۔" ایک مہمان نے کہا۔

"تو میں نے کب کہا ہے کہ میں پروفیسر داؤد نہیں ہوں۔" وہ بولے۔

"اور یہ۔ آپ تلاشی لے رہے ہیں؟"

"آج انسپکٹر جمشید بھی

اس کام پر مامور ہیں۔"

"آپ کو یہ کام زیب نہیں دے رہا۔"

"تو انسپکٹر جمشید کو کب زیب دے رہا ہے۔"

"وہ۔ وہ۔ مم۔ میں۔" مہمان اٹک کر رہ گیا۔ شاید اسے کوئی جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔ آپ کی تلاشی ہو چکی۔ آپ چلیے۔"

مہمان ایک ایک کر کے اندر جاتے رہے۔ پھر شاید کسی نے شیخ خالد ابرار صاحب سے یہ بات کہہ دی۔ وہ بوکھلائے بوکھلائے باہر نکلے۔ خان رحمان اور پروفیسر داؤد کو تلاشی لیتے دیکھ کر دھک سے رہ گئے اور چلا کر بولے:

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔"

"تت۔ تلاشی۔"

"یہ آپ کا کام نہیں۔ اس کام کے لیے انسپکٹر جمشید کافی ہیں۔"

"اگر یہ کام ہمارا نہیں ہے تو انسپکٹر جمشید کا بھی نہیں ہے۔" پروفیسر داؤد نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں! میں جانتا ہوں، لیکن ایک مجبوری کے تحت انہیں مقرر کیا گیا ہے، آپ خود سوچیں۔ اگر یہاں کسی چھوٹے پولیس آفیسر کو مقرر کیا جاتا تو کیا وہ آپ لوگوں کی تلاشی لے سکتا تھا

جب کہ میرا خیال ہے، انسپکٹر جمشید نے آپ کو بھی معاف نہیں کیا ہوگا۔"

"بات ہے تو یہی۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"ان حالات میں آپ اندر چلیے — یہ لوگ بھی جلد ہی اندر ہوں گے۔"

"ج — جی — کیا فرمایا — ان — اندر ہوں گے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"م — میرا — میرا مطلب ہے — اندر آ جائیں گے۔" وہ مسکرا کر بولے۔

"نہیں شیخ صاحب — ہم اندر آئیں گے تو ان کے ساتھ — ورنہ نہیں۔"

"ل — لیکن لوگ کیا کہیں گے۔"

"لوگوں کا کیا ہے — وہ تو کہتے ہی رہتے ہیں۔" خان رحمان نے کہا۔

"اچھی بات ہے — آپ کی مرضی — ویسے مجھے بہت شرم آ رہی ہے۔"

"پروفیسر صاحب — اور خان رحمان — جناب شیخ صاحب بالکل ٹھیک کہ رہے ہیں — آپ اندر چلیے — ہم بھی آتے ہیں۔"

"خیر! میں چلتا ہوں۔" شیخ خالد ابرار نے کہا اور اندر کی طرف مڑ گئے۔

"آپ نے شیخ صاحب کو ناراض کر دیا۔"

"فکر نہ کرو — اندر جا کر منا لیں گے۔"

آدھ گھنٹے بعد تمام مہمان آ چکے تھے — لہٰذا انھوں نے دروازے بند کروائے، دروازوں کو تالے لگوائے اور اندر کی طرف بڑھے — اچانک انھیں ٹھٹک کر رک جانا پڑا، ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں —

تار کا تعاقب

کوٹھی کے صدر دروازے سے داخل ہوتے ہی ان کی نظریں دائیں طرف لگی باڑھ پر پڑی تھیں۔ باڑھ میں سے چھپا کر بجلی کی ایک موٹی تار آگے لے جائی گئی تھی۔ تار سبز رنگ کی تھی، اس لیے اس کا دیکھ لیا جانا آسان کام نہیں تھا، یہ تو وہ تھے، جنھوں نے تار کو دیکھ لیا تھا:

"ارے باپ رے۔ ہماری تلاشی تو بے کار گئی۔" انسپکٹر جمشید نے بوکھلا کر کہا۔

"کیوں! اس میں تلاشی کا کیا قصور۔" پروفیسر داؤد چونکے۔

"ہم نے پہلے اندر کی تلاشی لی تھی، پھر باہر دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ تاکہ پوری طرح اطمینان ہو سکے — دراصل میں نے سوچا تھا۔ اگر کوئی شخص تلاشی سے پہلے ہی اندر کوئی کام دکھا جاتے تو الزام مجھ پر آئے گا — یہ

[illegible] انھوں نے پوچھا۔ پھر

اس کا کیا علاج ہے؟ اس پر میں نے ان سے کہا کہ پہلے ہم اندر کی تلاشی لیں گے۔ انھوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔"

"لیکن ابا جان! ہو سکتا ہے، اس وقت ہم نے باڑھ کی طرف توجہ نہ دی ہو۔"

"میں نے توجہ دی تھی۔ اس وقت یہاں کچھ نہیں تھا اور اس بات پر تو میں پریشان ہوں کہ آخر یہ تار کون یہاں بچھا گیا اور کس وقت بچھا گیا؟"

"اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تیاری پہلے کر لی گئی تھی۔ تار وغیرہ کو کسی خاص جگہ چھپا کر رکھا گیا تھا، جہاں آپ کا خیال بھی نہ جا سکا۔ اور پھر موقع پا کر یہ کام کر دیا گیا۔" محمود جلدی جلدی بولا۔

"اس کا مطلب جانتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"جی مطلب۔ ہاں — اس کا مطلب ہے — گھر کے اندر کوئی غلط آدمی موجود ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔ اور اگر ایسا ہے تو یہ بہت خطرناک بات ہے۔"

"فی الحال تو اس تار کا کچھ کرنا چاہیے۔" پروفیسر داؤد نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ فاروق جیب سے کٹر نکالا۔"

فاروق نے کوشش کرکے کٹر فوراً ہی نکال دیا۔ انھوں نے تار کو کاٹ دیا۔

"اب ایک طرف ہم جاتے ہیں۔ یعنی بڑی پارٹی۔ اور دوسری طرف تم جاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی بہتر!"

بڑی پارٹی تار کو دیکھتے ہوئے کوٹھی کے اندر کی طرف چل پڑی۔ جب کہ چھوٹی پارٹی نے دوسری طرف کا رُخ کیا۔ جلد ہی انھوں نے جان لیا کہ تار سرونٹ کوارٹرز کی طرف جا رہی ہے۔

"میرا خیال ہے۔ اس تار کی ابتدا کسی کوارٹر سے کی گئی ہے۔ لہٰذا ہمارا کام آسان ثابت ہوگا۔" فاروق بولا۔

"بات آسان اور مشکل کی نہیں۔ سازش کو پکڑنے کی ہے، حیرت کی بات ہے۔ وزیرِ خارجہ کے اپنے گھر میں کوئی غدار موجود ہے اور اس قدر اہم پارٹی دی جا رہی ہے۔" محمود نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ مجھے۔ وہ کیس یاد آ رہا ہے۔ عمارت میں بم والا۔ جب عین اس کمرے کے نیچے بم رکھ دیا گیا تھا، جس میں مہمان صدر موجود تھے۔ اور ہم اس کمرے تک پہنچ" فرزانہ نے کانپتی آواز میں کہا۔

"یہ تم اُس وقت کی وجہ سے کانپ رہی ہو یا اِس وقت کی وجہ سے۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ کہیں بالکل اسی قسم کے حالات نہ پیش آ جائیں۔"

"جہاں تک مجھے یاد ہے۔ اُس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ بم اس کمرے میں کہیں رکھ دیا گیا تھا اور ہمیں اسے تلاش کرنا تھا، جب کہ اس وقت معاملہ یہ نہیں۔ آج کل بموں کے ساتھ تار باندھنے کی ضرورت نہیں۔ اب تو ٹائم بم عام مل جاتے ہیں۔"

"تب پھر۔ تمھارے خیال میں یہ کیا ہے؟"

"یہ تو وہاں چل کر ہی پتا چل سکے گا۔"

تار باڑھ کے ساتھ ہوتی ہوئی ایک کوارٹر تک پہنچ گئی۔ اس کوارٹر کی دیوار میں برمے سے سوراخ کرکے تار کو باہر نکالا گیا تھا۔

"لو۔ کوارٹر تو مل گیا۔" محمود نے پُرجوش آواز میں کہا۔

وہ کوارٹر کے دروازے پر آئے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس پر تالا لگا ہوا تھا۔

"اس کا مطلب ہے۔ اندر کوئی نہیں ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

" فاروق مہربانی فرما کر ذرا جلدی سے ماسٹر چابی نکالو۔"

" اچھی بات ہے۔"

دوسری ہی کوشش میں اس نے چابی نکال دی۔ آج فاروق پھرتی دکھانے پر بُری طرح مجبور تھا، ورنہ ایسے موقعوں پر پہلے کئی دوسری چیزیں اس کی جیب سے برآمد ہوتی تھیں۔

" شکر ہے۔ آج تم نے وقت ضائع نہیں کیا۔" محمود نے چابی تالے میں گھماتے ہوئے کہا۔

" لیکن تم نے یہ جملہ کہہ کر وقت ضرور ضائع کیا ہے۔"

" بالکل نہیں۔ میں تالے کے سوراخ میں چابی پہلے ہی داخل کر چکا تھا۔" اس نے بھی فوراً کہا۔

" اچھا اچھا۔ یہ لڑنے کا وقت نہیں۔" فرزانہ نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

محمود نے اپنی پوری کوشش کر ڈالی، لیکن تالا نہ کھلا، یہ کوئی بہت ہی پرانے زمانے کا تالا تھا۔ اور اس قدر جدید گھرانے کے سرونٹ کوارٹر پر دیکھ کر انھیں حیرت بھی ہوئی تھی، لیکن یہ وقت زیادہ حیرت میں جانے کا بھی نہیں تھا۔ لہذا محمود نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جوتے کی کنڈی پر چلا دیا۔ لوہا

کٹتا چلا گیا:

" پروفیسر انکل زندہ باد۔ کیا چاقو بنایا ہے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

" پہلے اندر کی خبر لے لو۔"

تینوں اندر داخل ہوئے اور دھک سے رہ گئے۔ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

انسپکٹر جمشید ان دونوں کے ساتھ تار کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے، لیکن وہ اس انداز سے دیکھ رہے تھے کہ دوسرے کوئی خاص بات محسوس نہ کر سکیں۔ اور یہ خیال کریں کہ وہ ٹہل رہے ہیں۔

باڑھ ایک دیوار کے ساتھ ختم ہو گئی۔ دیوار میں برمے کے ذریعے کیا گیا سوراخ نظر آیا اور تار اس سوراخ میں جاتی نظر آئی:

" بھئی واہ! بہت پختہ انتظام کیا گیا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

" لیکن یہ انتظام ہے کیا۔ کوٹھی کو بم سے اڑانے کا

تو ہو نہیں سکتا؛ خان رحمان بولے۔
" ابھی معلوم ہو جاتا ہے " انھوں نے پُر جوش انداز میں کہا۔
" یہ صرف میٹنگ میں ہونے والی گفت گو سننے کا انتظام ہے " پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔
" بالکل ٹھیک ! میرا بھی یہی خیال ہے " انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔
تار کا تعاقب کرتے ہوئے آخر وہ اس ہال تک پہنچ گئے جس میں اجلاس ہونا تھا، لیکن یہاں اس تار کا نام و نشان تک نہیں تھا۔
" یہ کیا بات ہوئی بھئی " پروفیسر داؤد حیرت زدہ انداز میں بولے۔
" آئیے، پھر باہر چل کر دیکھتے ہیں " انسپکٹر جمشید بھی چکر کھا گئے۔
تینوں ہال سے نکل کر اس جگہ آئے جہاں تار ہال کی دیوار میں داخل ہوتا نظر آیا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے تار کو کھینچ کر دیکھا، لیکن وہ دوسری طرف کسی چیز میں پھنسایا گیا تھا۔
" ہیں " پروفیسر داؤد بڑبڑائے

" اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم یہ بات شیخ خالد ابرار کے علم میں لے آئیں۔ اگرچہ پہلے میرا پروگرام یہ نہیں تھا۔ میں خاموش رہ کر جائزہ لینا چاہتا تھا اور اس حرکت کے مجرموں پر نہایت خاموشی سے ہاتھ ڈال دیتا "
" یہ کوشش تو جمشید اب بھی کی جا سکتی ہے " خان رحمان نے کہا۔
" اوہ ہاں ! ہم شیخ صاحب سے کہہ سکتے ہیں کہ ابھی اس معاملے کا کسی کو پتا نہ چلے "
" میں انھیں یہیں لے آتا ہوں " خان رحمان نے کہا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتے چلے گئے۔
تین منٹ بعد وہ شیخ صاحب کے ساتھ آتے نظر آئے، ان کے چہرے پر قدرے اُلجھن تھی،
" خیر تو ہے، آپ حضرات مجھے یہاں کس لیے لائے ہیں، آپ فکر مند بھی نظر آ رہے ہیں؟"
" جی ہاں ! ہمیں فکر مند نظر آنا بھی چاہیے۔ آپ جانتے ہی ہیں۔ دو گھنٹے پہلے۔ میرا مطلب ہے مہمانوں کی آمد سے دو گھنٹے پہلے ہم نے کوٹھی کے چپے چپے کی تلاشی لی تھی۔ تاکہ ہماری آمد سے پہلے ہی اگر کوٹھی کے اندر کوئی گڑبڑ کر

دی گئی ہے تو اس کا سُراغ لگا لیا جائے۔ ورنہ تلاشی لینے کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا تھا۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ تو پھر کیا کوئی گڑبڑ ہو گئی؟"

"اس کے بعد ہم نے دروازے پر کھڑے رہ کر ہر مہمان کی تلاشی لی، یہاں تک کہ ہم نے اپنے ان دونوں دوستوں کو بھی تلاشی کے بغیر اندر داخل نہیں ہونے دیا، کیونکہ آپ کا حکم یہی تھا کہ تلاشی کے بغیر کوئی داخل نہ ہو۔ میں جانتا تھا کہ ان کی تلاشی لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، پھر بھی میں نے ایسا کیا۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"تو کیا کسی مہمان نے تلاشی لینے پر اعتراض کیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں ان سے بات کر لیتا ہوں۔"

"جی نہیں۔ بات اس سے کہیں زیادہ سنگین ہے ۔۔۔ لیکن پہلے آپ یہ بتائیں۔ آج جو اہم ترین میٹنگ آپ دعوت کے بہانے کر رہے ہیں، اس کے بارے میں کس کس شخص کو علم ہے؟"

"گھر کے تمام افراد کو علم ہے۔ ملازمین کو بھی علم ہے۔ ان کے علاوہ جو لوگ اس میٹنگ میں شریک ہو رہے ہیں، انہیں بھی علم ہے۔"

 ں ہے۔"

"ہاں راز نہیں ہے، لیکن میٹنگ میں جو کچھ طے ہو گا۔ اس کو بالکل خفیہ رکھا جائے گا۔"

"لیکن دشمن نے اس بات کا انتظام کر لیا ہے کہ اس کو خفیہ نہ رہنے دے۔" انسپکٹر جمشید ٹھہری ہوئی آواز میں بولے۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ۔ اس گفت گو کو سننے کے مکمل انتظامات کیے جا چکے تھے۔ اگر ہماری نظر نہ پڑتی تو یہ کارروائی راز نہ رہ جاتی۔"

"کک۔ کیسے انتظامات؟" وہ بوکھلا اٹھے۔

"آئیے۔" انھوں نے کہا اور پھر تار کی طرف بڑھے ۔۔۔ جونہی شیخ خالد ابرار کی نظر اس تار پر پڑی وہ دھک سے رہ گئے:

"یہ ۔ یہ کیا؟"

"اس تار کا سلسلہ ہال سے لے کر شاید سرونٹ کوارٹرز تک چلا گیا ہے۔"

"سرونٹ کوارٹرز۔" ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"ہاں! سرونٹ کوارٹرز ۔۔۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہم آپ کو اس طرف لے چلیں۔ آپ یہ فرمائیں۔ کیا اس ہال کی دیواریں دہری ہیں؟"

"دہری۔ نن۔ نہیں۔ بالکل نہیں۔" وہ ہکلائے۔

"تب پھر یہ بات عجیب ترین کہلائے گی۔"

"کیا مطلب؟"

"دیکھیے۔ ہال کی دیوار میں یہاں ایک سوراخ ہے۔ یہ تار اس سوراخ میں داخل ہو رہی ہے، لیکن ہال کے اندر تار کہیں بھی نکلتی نظر نہیں آ رہی۔"

"اُف مالک۔ یہ۔ یہ کیا۔" وہ گھبرا گئے۔

"پریشان نہ ہوں۔ اب میٹنگ میں ہونے والی گفت گو نہیں سُنی جا سکے گی۔ اس ہال کا جائزہ تو اب پروگرام ختم ہونے اور مہمانوں کے رُخصت ہونے کے بعد ہی لیا جا سکے گا۔"

"میں بہت پریشان ہو گیا ہوں۔"

"اگر اس تار پر ہماری نظریں میٹنگ ہو جانے کے بعد پڑتیں، اس وقت ضرور پریشانی کی بات تھی، اب نہیں۔"

"ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" وہ مسکرا دیے، لیکن اب بھی یہ مسکراہٹ جان دار نہیں تھی۔

"اب اگر آپ سرونٹ کوارٹر تک جا کر دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ تو چلیے۔"

"نہیں! آپ اس معاملے کو دیکھ لیں۔ میں مہمانوں سے زیادہ دیر الگ نہیں رہ سکتا۔ وہ اس بات کو بہت محسوس کریں گے۔"

"او کے سر۔ آپ جائیں۔ ہم دیکھ لیں گے اور تفصیلات بعد میں آپ کو سُنا دیں گے۔"

"بالکل ٹھیک۔ میں یہ اطمینان لے کر جا رہا ہوں کہ اب کوئی شخص ہال میں ہونے والی گفت گو کا ایک لفظ بھی نہیں سُن سکے گا۔" وہ بولے۔

"اِن شاء اللہ! ایسا ہی ہوگا۔"

ان کے جانے کے بعد انسپکٹر جمشید نے تار کو ایک زور دار جھٹکا دیا۔ اور وہ باہر نکل آیا۔

"یہ اندر کسی چیز میں پھنسایا گیا تھا۔ سب سے زیادہ حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ کوٹھی کے اندر وہ کون ہے، جو یہ لمبا چوڑا کام چُپ چپاتے کرنے میں کامیاب ہو گیا، اسے کسی نے دیکھا تک نہیں۔"

"واقعی! یہ بات بہت عجیب ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"آئیے اب دُوسری طرف چلیں۔ محمود، فاروق اور فرزانہ اب تک لوٹ کر نہیں آئے۔ شاید انہوں نے بھی سرونٹ کوارٹر میں خاص چیز دیکھی ہے۔"

"بھئی خاص چیز کیا ہو گی۔ گفت گو سُننے کے آلات ہی

ہوں گے نا اور بس۔"

"اور سننے والا؟" خان رحمان بولے۔

"شاید انھیں وہاں کوئی نہیں ملا ہوگا، اس لیے کہ ابھی میٹنگ کا وقت نہیں ہوا۔"

وہ سرونٹ کوارٹرز تک آئے اور پھر تار کو دیکھتے ہوئے کوارٹر نمبر تین کے اندر داخل ہوئے، لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ کا کوئی پتا نہ تھا۔

جھٹکا

کمرے میں گفت گو ریکارڈ کرنے کے خود کار آلات موجود تھے۔ یعنی جونہی ہال میں گفت گو شروع ہوتی، آلات خود بخود حرکت میں آ جاتے اور گفت گو ریکارڈ ہونے لگتی۔

"یہاں کوئی نہیں ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"کسی کی یہاں ضرورت بھی تو نہیں ہے۔ اپنا کام مکمل کرکے وہ جا چکا ہے۔ اب کوٹھی میں مصروف ہوگا۔"

"ہاں! اسے فوری طور پر گرفتار کرنا چاہیے۔"

"لیکن اس طرح مہمانوں میں بے چینی پھیلے گی — اب وہ گفت گو تو ریکارڈ کر نہیں سکے گا۔ تو کیوں نہ فی الحال اس کی گرفتاری عمل میں نہ لائی جائے۔" فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

"میرا خیال ہے۔ یہ تجویز معقول ہے۔" فاروق نے سر ہلایا۔

"خیر یونہی سہی۔ فی الحال ہم ان آلات کو بے کار کر دیتے ہیں۔"

انھوں نے ان کے تار اکھاڑ دیے، بٹن آف کر دیے اور باہر نکل آئے۔

"جب میٹنگ شروع ہو گی تو ہم ایک چکر اور یہاں لگا لیں گے۔" محمود نے کہا۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

وہ باہر نکلے ہی تھے کہ ٹھک ٹھک کی مدھم آواز سنائی دی۔ ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ قدم خود بخود آواز کی طرف اُٹھنے لگے۔ ایک کوارٹر کے سامنے ان کے اُٹھتے قدم رک گئے۔ ٹھک ٹھک کی مسلسل آواز اس کوارٹر سے آ رہی تھی۔ انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر دروازے پر دباؤ ڈالا، دروازہ کھلتا چلا گیا۔ وہ بے دھڑک اندر داخل ہو گئے، لیکن یہی ان کی غلطی تھی۔

انھیں ایک زور دار چکر آیا اور گرتے چلے گئے۔ پھر انھیں کوئی ہوش نہ رہا۔ ہوش آیا تو وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں تھے۔

"یہ۔ یہ ہم کہاں پہنچ گئے۔ یہ وہ کوارٹر تو ہرگز نہیں واز آ رہی تھی۔" محمود

نے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ ہم بے ہوش کیوں ہو گئے تھے؟"

"کوارٹر میں کوئی زہریلی گیس پھیلی ہوئی تھی۔" فرزانہ بولی۔

"پھیلی ہوئی نہیں تھی، پھیلائی گئی تھی۔ ہمارے استقبال کے لیے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب ہے۔ ہمیں بے ہوش کرنے کے بعد یہاں لایا گیا ہے، لیکن کیوں؟" محمود نے کہا۔

"بھئی۔ سیدھی سی بات ہے۔ ہم نے ان کے آلات کو بے کار کیا۔ اب وہ انتقاماً ہمارے آلات بے کار کریں گے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"ہمارے آلات۔ کیا مطلب؟" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"حد ہو گئی۔ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکیں۔ ہونا کوڑ مغز۔ میرا مطلب ہے۔ ہمارے ہاتھ پیر۔"

"یہ بات نہیں۔ میں کچھ اور سوچ رہی ہوں۔"

"یہ تمھاری پرانی عادت ہے۔ ہمیشہ کچھ اور سوچنے لگتی ہو۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"بھئی پہلے سن تو لو۔ یہ کیا کچھ اور سوچ رہی ہے۔" محمود مسکرا دیا۔

"کمال کرتے ہو۔ بھلا میں اس کی سوچ کی آواز کس طرح سُن سکتا ہوں ۔ میرے کان اب اتنے تیز بھی نہیں جتنے کہ اس کے ہیں۔"

"لیکن وہ تو منہ سے بتائے گی۔" محمود نے جل کر کہا۔

"اوہ! تب تو ٹھیک ہے۔"

"ایک تو تم وقت بہت ضائع کرتے ہو۔ میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ہم آلات بے کار کرکے جا رہے تھے، پھر آخر ٹھک ٹھک کرکے ہمیں اس طرف کیوں متوجہ کیا گیا — ہمیں بے ہوش کرکے یہاں لا کر قید کرنے کی ان لوگوں کو کیا ضرورت پڑ گئی تھی؟"

"یہ تو وہی بتا سکتے ہیں ۔ میں کس طرح بتاؤں۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"میں تم سے پُوچھ نہیں رہی ۔ اس سوال کا جواب خود تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"ضرور تلاش کرو اور جب جواب مل جائے تو ہمیں بھی بتا دینا۔"

"کیا اس سے یہ بہتر نہیں رہے گا کہ ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں۔" محمود نے کہا اور اٹھنے کی کوشش کی —

"یہ کیا — میں تو ہل جل بھی نہیں سکتا۔"

"اس زہریلی گیس کا اثر باقی ہے ۔ لہذا صرف سوچنے کا کام کرتے رہو۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تو تم پہلے ہی اُٹھنے کی کوشش کر چکی ہو؟"

"ہاں! مجھے تم سے پہلے ہوش آیا تھا۔"

اب اُنھوں نے آنکھیں گھما کر کمرے کا جائزہ لیا۔ کم از کم وُہ آنکھوں کو حرکت دے سکتے تھے ۔ اور زبان کو بھی ۔

"حیرت ہے ۔ اس کمرے میں تو کوئی دروازہ ہے نا کھڑکی، ہُوا کی آمد و رفت کیسے ہو رہی ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"شاید ہُوا آ ہی نہ رہی ہو — آکسیجن آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہو اور جلد ہی یہ کمرہ ہمارا مقبرہ بننے والا ہو۔"

"ارے باپ رے — یہ خیال تو کافی ہولناک ہے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"لیکن یہ خیال درست نہیں ہو سکتا — اس لیے کہ اگر ہمیں مارنا ہوتا تو بے ہوش کرنے کے بعد ہی ٹھکانے لگا دیا جاتا — اور مار کر یہاں لا پھینکتے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں بالکل ۔ کمرے میں گھٹن نام کی کوئی چیز محسوس بھی نہیں ہو رہی۔"

"ویسے یہ لوگ ہیں عقل سے بالکل پیدل۔ ابھی بڑی پارٹی ادھر آئے گی اور ہمیں باہر نکال لے گی" محمود بولا۔

"میں ایسا نہیں سمجھتی۔ یہ کام نہایت پُر اسرار طریقے پر ہو رہا ہے۔ شاید وہ تار گفت گو سننے کے لیے نہیں۔ ہمیں پھانسنے کے لیے تھا۔

"صرف ہمیں پھانس کر وہ کوئی خاص فائدہ نہیں اُٹھا سکیں گے۔"

"انھیں کیا معلوم تھا کہ ابّا جان ہمارے ساتھ ادھر نہیں آئیں گے۔ انھوں نے تو جال ہم سب کے لیے بچھایا تھا۔"

"میرا دل نہیں مانتا۔ کہ یہ سارا چکر صرف ہمیں پھانسنے کے لیے تھا۔ بلکہ میرا خیال ہے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ سازش پکڑی گئی تو انھوں نے یہ چال چلی۔"

"اس بات کا بھی امکان ہے۔ نہ جانے کب ہمارے جسم حرکت کرنے کے قابل ہوں گے۔"

"قابل ہو بھی گئے تو کیا ہے۔ ہم اس کمرے میں کوئی دروازہ تلاش نہیں کر سکیں گے۔" فرزانہ نے کہا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا اور فرزانہ کو گھورا بھی۔

 لیا۔ اب وہ جسموں

کو حرکت دے سکتے تھے، وہ اُٹھ کھڑے ہوتے۔ اگرچہ کمزوری ابھی باقی تھی، لیکن بہر حال چلنے پھرنے کے قابل تو ہو ہی گئے تھے۔ انھوں نے کمرے کی دیواروں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ان کو تھپک تھپک کر دیکھا، لیکن کہیں کسی دروازے کے آثار نظر نہیں آئے۔ اب تو وہ اور بھی حیران ہوئے۔

"حیرت ہے۔ آخر ہوا کہاں سے آ جا رہی ہے؟"

اب انھوں نے کمرے کی چھت کی طرف دیکھا۔ چھت میں انھیں نہایت باریک سوراخ نظر آئے۔

"شاید ہوا ان سوراخوں سے خارج ہو رہی ہے، لیکن تازہ ہوا کے اندر داخل ہونے کا راستا بھی تو کوئی ہونا چاہیے۔"

انھوں نے ایک بار پھر دیواروں کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ اس مرتبہ سروں سے اُوپر کے حصّے کا جائزہ لیا گیا اور پھر انھیں آمنے سامنے دو دیواروں میں باریک جالیاں سی لگی نظر آ گئیں۔ غور سے دیکھے بغیر یہ نظر آ ہی نہیں سکتی تھیں۔

"چلو ایک اطمینان تو ہوا۔ کمرے میں ہوا کی آمد و رفت کا معقول انتظام ہے۔ اب میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ کوئی نہ کوئی دروازہ بھی ضرور موجود ہے۔"

"وہ تو صاف ظاہر ہے۔ دروازہ نہ ہوتا تو ہمیں

اندر کس طرح لایا جاتا۔"

"ابا جان اب تک نہیں پہنچے۔ حالانکہ کافی دیر ہو چکی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ ابھی وہ اس طرف آ ہی نہ سکے ہوں۔ دوسری طرف انہیں بھی عجیب وغریب حالات کا سامنا کرنا پڑ گیا ہو۔"

"ہوں! اس کا بھی امکان ہے، لیکن بہرحال وہ ہماری تلاش میں نکلیں گے۔"

عین اس وقت انھوں نے قدموں کی آواز سنی۔ دوسرے لمحے ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

●

"یہ آلات دیکھ رہے ہیں آپ؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! ہال میں ہونے والی گفت گو کو ریکارڈ کرنے کا مکمل انتظام کیا گیا ہے۔"

"اور یہ تار وغیرہ شاید محمود، فاروق اور فرزانہ نے اکھاڑے ہیں۔"

 تھے۔" خان رحمان

نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن وہ ہیں کہاں؟"

"کم از کم جمشید وہ اس کمرے میں نہیں ہیں۔" پروفیسر داود جلدی سے بولے۔

"جی ہاں! اور باہر بھی وہ ہمیں نہیں ملے۔"

"خیر چھوڑیں ہوں گے اِدھر اُدھر۔ اس سازش کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ ان کے بارے میں اتنا فکر مند ہونے کی ضرورت بھی نہیں۔"

عین اس وقت گھنٹی بجنے لگی۔ یہ گھنٹی اشارہ تھا اس بات کا کہ پارٹی شروع ہو رہی ہے۔ سب لوگ باغ میں پہنچ جائیں۔

ان کے قدم بھی اس سمت میں اُٹھنے لگے۔ باغ میں پہنچ کر انھوں نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں، لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ یہاں بھی نظر نہ آئے۔

"بھئی ہو سکتا ہے۔ وہ کوٹھی سے باہر چلے گئے ہوں۔ کسی فوری ضرورت کے تحت۔"

"یہی تو مشکل ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب۔ مشکل کیسی؟"

"میرے علم میں لائے بغیر تو خود میزبان۔ یعنی شیخ

صاحب بھی نہیں جا سکتے۔"

"کیا مطلب ؟" خان رحمان اور پروفیسر داؤد ایک ساتھ بولے۔

"تمام راستے بند ہیں۔ اندر سے تالے لگا دیے گئے ہیں اور ان کی چابیاں میرے پاس ہیں۔ دروازے اب پارٹی ختم ہونے پر ہی کھلیں گے۔ جب یہ اطمینان ہو جائے گا کہ کسی قسم کی کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔"

"تو کیا یہاں گڑبڑ کا پہلے ہی امکان تھا۔ جو اتنے زبردست انتظامات کیے گئے؟" خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ اجلاس چونکہ بہت خفیہ ہے۔ اس لیے شیخ صاحب ہر قسم کی احتیاط چاہتے تھے۔ اور جب انھوں نے یہ ذمّے داری مجھ پر ڈال دی تو پھر میں کوئی کسر کس طرح چھوڑ سکتا تھا۔ میں نے کسی گڑبڑ کے دُور دُور تک امکانات نہیں چھوڑے۔"

"لیکن جمشید۔ گڑبڑ تو پھر بھی ہو گئی۔ دیکھو نا۔ گفت گو سُننے کے لیے لمبا چوڑا انتظام کر ڈالا گیا۔"

"ہاں ! مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ شیخ صاحب نے آستین میں کچھ سانپ بھی پال رکھے ہیں۔ اگر یہ بات معلوم ہوتی تو پھر ہم چاروں دروازے پر تلاشی نہ لے رہے ہوتے ۔۔ ہم [illegible] وہ باہر۔ یا پھر میں

اکرام کی خدمات حاصل کرتا۔"

"ہوں۔ بات ٹھیک ہے۔ اور آستین کے سانپ اس وقت بھی کوٹھی میں موجود ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں ! اور شاید محمود، فاروق اور فرزانہ ان کے پیچھے ہیں۔ تبھی ہمیں نظر نہیں آ رہے۔"

"کم از کم ہمیں اب ایک اطمینان تو ہے نا جمشید۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"وُہ کون سا پروفیسر صاحب ؟"

"یہ کہ اب اجلاس میں ہونے والی کارروائی سُنی نہیں جا سکے گی۔"

"ابھی اس بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے، ان لوگوں نے کوئی اور انتظام بھی کر رکھا ہو۔"

"اوہ ! تب پھر پہلے یہ جائزہ لے لینا چاہیے کہ کچھ اور انتظام تو نہیں کر رکھا۔" پروفیسر داؤد گھبرا کر بولے۔

"جی ہاں ! لیکن اس کے لیے آپ کو اپنے آلات لانا ہوں گے۔"

"میں ابھی لے آتا ہوں۔"

"خان رحمان ! تم ان کے ساتھ جاؤ۔"

"کیوں ! اس کی کیا ضرورت ہے۔" پروفیسر داؤد چونکے۔

"راستے میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے ۔ میں محسوس کر رہا ہوں ، اس سازش کے تانے بانے دُور تک پھیلے ہوتے ہیں۔"

"ہوں ! ٹھیک ہے ۔ ہم دونوں جا کر آلات لے آتے ہیں۔"

"کیوں نہ کسی کو بھیج کر آلات منگوا لیے جائیں۔" خان رحمان نے تجویز پیش کی ۔

"اس میں دیر لگ جائے گی۔" پروفیسر داؤد جلدی سے بول پڑے اور پھر دروازے کی طرف مڑ گئے ، خان رحمان نے بھی ان کا ساتھ دیا ۔

ان کے جانے کے بعد انسپکٹر جمشید اس ہال میں داخل ہوتے جس میں اجلاس ہونا تھا ، وُہ اس کے ایک ایک کونے کا جائزہ لینے لگے ۔ اچانک انھیں ایک زور دار جھٹکا لگا ۔ منہ مارے حیرت کے کھُل گیا ۔

دیوار میں سوراخ

انھیں کمرے میں اب بھی کوئی دروازہ نظر نہیں آیا تھا ، لیکن اس کے باوجود اس وقت کمرے میں ان کے سامنے ایک شخص موجود تھا ۔ وہ حیران نہ ہوتے تو کیا کرتے :

"خیر تو ہے بھئی ! بہت پریشان ہو۔"

"آپ اندر کس طرح آئے؟" محمود بولا ۔

"جس طرح تم لوگ آئے۔" وُہ ہنسا ۔

"اور ہم کس طرح آئے ؟" فاروق نے جھنّا کر کہا ۔

"جس طرح میں آیا۔" وہ پھر ہنسا ۔

"حد ہو گئی۔" فاروق تلملا اُٹھا ۔

"ہو گئی ہو گی ، لیکن یہ بات میرے علم میں نہیں۔" اس نے کندھے اچکائے ۔

"کون سی بات ؟" محمود پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا ۔

"وہی حد ہو جانے والی۔" وُہ مسکرایا ۔

"محمود۔ خیال کرو۔ یہ حضرت شاید خود کو غصہ دلانے کا بہت بڑا ماہر خیال کرتے ہیں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"بھئی واہ! یہ لڑکی شاید بہت عقل مند ہے، لیکن میرا خیال ہے، میں اسے بھی غصہ دلا سکتا ہوں۔"

"اگر آپ ہمیں صرف غصہ دلانے آئے ہیں تو ہم ویسے ہی غصے ہو جاتے ہیں۔"

"ایسے کیا مزا آئے گا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا بھائی، جیسے تمہیں مزا آنے کا امکان ہے، ویسے کر لو۔" فاروق نے تنگ آ کر کہا۔

"انسپکٹر جمشید تم لوگوں کو تلاش نہیں کر سکیں گے۔"

"کیا یہ دعویٰ ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"ہاں! دعویٰ۔" اس نے فخریہ انداز میں کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں، اگر وہ ہم تک نہ پہنچ سکے تو ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کر ڈالیں گے۔"

"یہی میں چاہتا ہوں۔ تم یہ کوشش اب شروع کر ہی ڈالو۔ ورنہ پھر دیر ہو جائے گی۔"

"دیر ہو جائے گی۔ کیا مطلب؟" فرزانہ چونکی۔

"ت[illegible]، نہیں سمجھ سکتے۔"

"مطلب یہ کہ کس بات کو دیر ہو جائے گی؟"

"پھر تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ باس آنے والے ہیں ادھر باس آئے، اُدھر کچھ کرنے کا موسم ختم۔"

"گویا یہاں کے موسم باس کے آنے جانے سے بدلتے ہیں۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اچھا جملہ کہا۔ طبیعت خوش ہو گئی۔"

"اچھا تو مسٹر۔ جو نام بھی ہے تمہارا۔ ہم اپنی کوشش [illegible] کریں گے۔" محمود نے غرّا کر کہا۔

"ضرور ضرور۔ بہت خوشی سے۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"ترکیب نمبر ۳!" محمود بولا۔

وہ تین سمت میں ہو گئے اور ایک ساتھ اس پر [illegible] ہوئے، اب تک ان کے جسموں میں کچھ جان آ گئی تھی تاہم کمزوری اب بھی محسوس کر رہے تھے۔ سب سے [illegible] محمود نے سر کی ٹکر اس کے پیٹ میں دے مارنے کوشش کی، وہ بہت تیزی سے جھکا اور محمود کی کمر پر [illegible] دھپ رسید کر دیا، وہ منہ کے بل گرا۔ شاید کمزوری [illegible] بہت تھی۔ یہ دیکھ کر فاروق حرکت میں آیا اور پیچھے [illegible] اس کی کمر پر ٹکر دے ماری۔ یہ ٹکر اسے ہلا گئی، [illegible] وہ ابھی سنبھل نہیں پایا تھا؛ تاہم یہ اس قدر زو[illegible]

نہیں تھا۔ ہاں! اتنا ضرور ہوا کہ ابھی اس ٹکر سے سنبھل رہا تھا کہ فرزانہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لی۔ وُہ دھڑام سے گرا۔

بس پھر کیا تھا۔ کمزوری محسوس کرنے کے باوجود تینوں اسے چھاپ بیٹھے۔

"اس طرح بھلا تم کیا فائدہ اُٹھا سکو گے۔ کرنے کا کام تو یہ تھا کہ یہاں سے نکلنے کا راستا تلاش کرتے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"ہمارا کام کرنے کا اپنا طریقہ ہے۔"

"خیر بھئی دیکھتے ہیں۔ تم کیا کرتے ہو۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

تینوں اسے بُری طرح جکڑنے کی کوشش میں لگے رہے۔ ادھر وُہ مزے مزے میں ان کی گرفت میں آتا چلا گیا۔ یہ سوچ کر کہ وُہ اس کا بھلا کیا بگاڑ سکیں گے۔ اچانک اس کے منہ سے نکلا:

"ارے ارے۔ یہ کیا بھئی۔ یہ۔ یہ کیا۔"

"اسی کو ہم ترکیب نمبر ۱۳ کہتے ہیں۔ ہم نے تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو اس انداز سے بل دیے ہیں کہ اب نہیں صَرف کرنا

پڑے گی، لیکن تمھاری جان پر بن جائے گی۔"

"ہاں! یہ بات تو میں محسوس کر رہا ہوں، لیکن یہ میری بے وقوفی سے ہوا۔"

"اس میں ہمارا کیا قصور جناب۔"

"اب آپ مہربانی فرما کر یہ بتا دیں کہ ہم یہاں سے کس طرح نکل سکیں گے۔ اگر آپ نہیں بتائیں گے تو ہم آپ کے بازو پر ذرا سا دباؤ ڈالیں گے۔ اگر پھر بھی نہیں بتائیں گے تو کچھ اور دباؤ ڈالیں گے، اگر پھر بھی نہیں بتائیں گے تو پھر پورا دباؤ ڈالیں گے۔ اس وقت بازو کے ٹوٹنے کی آواز آپ خود سُن لیں گے۔"

"نہیں!" اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"ابھی تجربہ ہو جائے گا۔"

یہ کہہ کر محمود نے دباؤ ڈالا، اس کی چیخ نکل گئی، لیکن وُہ ہونٹ بھینچے رہا۔ محمود نے اور زور لگایا، اس بار اس کی چیخ پہلے سے بلند تھی، لیکن منہ پھر بھی نہ کھلا۔

"اور اب باری آتی ہے دائیں کلائی کے ٹوٹنے کی۔ اس کے بعد باری آئے گی بائیں کلائی کی۔" محمود نے خوفناک لہجے میں کہا۔

"ن۔ نہیں۔ ٹھہرو۔"

"ٹھہر گئے۔ آگے چلیے۔" فاروق چہکا۔

"نن ۔ نہیں بتاؤں گا۔"

"آپ کی مرضی جناب۔" محمود نے کہا اور ایک زور دار جھٹکا مارا۔

اس کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکل گئی۔ ساتھ ہی کڑک کی آواز آئی ، یہ دائیں بازو کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز تھی۔ اس کے منہ سے نکلا :

"اُف مرا۔"

"اب باری ہے ۔ بائیں بازو کی"

"نن ۔ نہیں ۔ نہیں۔" وہ چلایا۔

"تب پھر ایک منٹ سے پہلے پہلے یہ بتا دو کہ ہم یہاں سے کس طرح نکل سکیں گے۔"

"ہاں ۔ وہ ۔ سامنے ۔ سس ۔ سامنے ۔"

وہ ہکلا کر رہ گیا ، کیونکہ سامنے اسے اور ہی منظر نظر آیا تھا ۔ انھوں نے بھی اس طرف دیکھا اور دھک سے رہ گئے ۔ وہاں ایک عدد نقاب پوش کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں خوفناک قسم کا پستول بھی تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

... بچپن میں ہم اس طرح

ہاتھوں اور پیروں کو قابو میں کر لیا کرتے تھے۔" فاروق نے دانت نکالے۔

"بچپن میں؟" اس نے سوالیہ اور حیرت زدہ انداز میں کہا ، اس کی آواز میں ایک کھنک تھی۔

"ہاں جناب۔" فاروق بولا۔

"اور تم بڑے کب ہوئے؟"

"ارے ہاں ! یہ تو ہم بھول ہی گئے ۔ کہ ابھی ہم بچپن کی حدود میں ہی ہیں ۔ خیر یوں کر لیں کہ یہ کچھ زیادہ بچپن کی باتیں ہیں۔"

"اسے چھوڑ دو اور یہاں سے نکلنے کا راستا مجھ سے معلوم کر کے دکھاؤ۔"

"معلوم کرنے کے بعد دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نے کہا ہے ۔ یوگو کو چھوڑ دو۔"

"تو یہ یوگو ہے ۔ اب تو چھوڑنا ہی پڑے گا ۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ یہ حضرت یوگو ہیں۔"

"ٹرٹر نہ کرو۔" اس نے جھلا کر کہا اور پستول کو عجیب انداز سے حرکت دی ۔ وہ سمجھ گئے ، اس کے ارادے خطرناک ہیں ، لہٰذا یوگو کو ایک اور طرح پکڑا اور اس سے کہا :

" مسٹر یوگو۔ فوراً کھڑے ہو جاؤ۔ ورنہ بایاں بازو بھی گیا
کام سے۔"

" اچھ۔ چھا" اس نے کہا اور اٹھ گیا۔

" اچھا کے دو ٹکڑے کر دیے۔ دھت تیرے کی" فاروق
نے جھلا کر کہا۔

اب تینوں اس کے پیچھے تھے۔ اس طرح کہ بالکل
ایک لائین میں آگے پیچھے کھڑے تھے۔

" مسٹر باس! اب چلائیے گولی۔ آپ کی گولی یوگو کے
جسم کی سیر کرنے کے بعد ہی ہم میں سے ایک کے جسم کا
حال پوچھنے کی جرأت کر سکے گی۔"

" بکومت۔ میں تمہارے اس طرف آ کر فائر کر سکتا
ہوں" باس غرایا۔

" یہ تجربہ بھی کر لیں گے ہاتھوں"

اس نے گھوم کر دوسری طرف آنے کی کوشش کی، لیکن اتنی
دیر میں وہ بھی گھوم چکے تھے اور یوگو ہی باس کے سامنے تھا:

" تب پھر میں یوگو کو گولی مار رہا ہوں۔ یہ پستول بڑے
سائز کا ہے۔ گولی تم تک بھی پہنچے گی"

" آپ اس کی پروا نہ کریں۔ گولی چلائیں"

اس نے جھلا کر پستول تان لیا، انگلی ٹریگر پر دباؤ
ڈالنے لگی۔

" بب۔ باس۔ یہ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ ان کا علاج
تو گیس سے بھی ہو سکتا ہے۔ ساتھ میں کچھ دیر کے لیے
میں بھی بے ہوش ہو جاؤں گا اور بس۔ آپ مجھے کیوں ضائع
کرتے ہیں" یوگو نے جلدی جلدی کہا۔

" اوہ! یہ تو مجھے خیال ہی نہیں رہا" اس نے کہا اور فوراً
ایک سوئچ کی طرف بڑھ کر اسے دبا دیا۔

انھیں فوراً تیز گیس کی بو محسوس ہوئی۔ اور ذہن تاریکی
میں ڈوبتے چلے گئے۔

" خان رحمان! یہ دیکھو۔ گفت گو سننے کے انتظامات کس
قدر مکمل ہیں۔ یہ تو ایسا لگتا ہے جیسے یہاں ہمیشہ سے گفت گو
سنی جاتی رہی ہے" ان کی آواز میں کپکپی تھی۔

خان رحمان نے آگے بڑھ کر دیوار کے اس حصے کو
دیکھا۔ اس جگہ سے انھوں نے ایک فریم شدہ تصویر ہٹائی تھی،
کمرے کی دیواروں میں اور اس حصے میں بظاہر کوئی فرق نہیں
تھا، لیکن یہ فرق انھوں نے صاف محسوس کر لیا تھا۔ ایک

چوکور حصّے میں نہایت باریک سوراخ موجود تھے۔

"اُف مالک۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔"

"وزیرِ خارجہ صاحب کی جاسوسی ہوتی رہی ہے۔ یہاں ہونے والے اجلاسوں کو باقاعدہ سُنا جاتا رہا ہے، بلکہ شاید ریکارڈ بھی کیا جاتا رہا ہے، لیکن خان رحمان! آج ہم اس اجلاس کی گفت گو نہیں سُننے دیں گے اور یہ سُراغ بھی لگائیں گے کہ وُہ کون ہے۔ جو یہ کام کرتا رہا ہے۔ شیخ صاحب مُلک کے وزیرِ خارجہ تو آٹھ دس سال سے ہیں، لیکن اس سے پہلے سیکرٹری وزیرِ خارجہ تو ایک مدّت سے چلے آ رہے ہیں۔ یہ معاملہ تو حد درجے خوف ناک ہو چلا ہے خان رحمان۔"

"ہاں جمشید۔ نہ جانے کتنے اہم راز دشمن ملک کے ہاتھ لگ چکے ہیں۔" خان رحمان کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"اور یہ اچھا ہی ہوا۔ آج انھوں نے یہاں میری ڈیوٹی لگا دی۔ ویسے میں اس بات پر بہت حیران ہوا تھا۔" انھوں نے کہا۔

"کس بات پر؟"

"اپنے یہاں مقرر کیے جانے پر۔ میں نے کہا بھی تھا کہ اکرام اور اس کے ماتحت مقرر کر دیتا ہوں، لیکن شیخ [illegible] آج یہ کام میں انجام

دوں۔ میرا خیال ہے۔ ہمیں فوراً شیخ صاحب سے بات کرنی چاہیے۔"

"میں انھیں یہیں بُلا لیتا ہوں۔" خان رحمان نے کہا اور کمرے سے نکل گئے۔

انسپکٹر جمشید باقی فریم شُدہ تصویروں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ہر لمحے ان کے خوف میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور پھر قدموں کی آواز سُنائی دی۔ وُہ فوراً دروازے کی طرف بڑھے اور شیخ صاحب کو برامدے میں ہی روک لیا:

"ہم یہیں گفت گو کریں گے شیخ صاحب۔"

"خیر تو ہے۔ آپ دونوں بہت پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔ اور ہاں۔ پروفیسر صاحب کہاں ہیں؟"

"وُہ ابھی آ جائیں گے۔ آپ ایک بات بتائیں۔" انھوں نے کہا۔

"ہاں پوچھیے۔"

"آپ نے آج آخر میری ڈیوٹی ہی کیوں لگائی تھی؟"

"بس ایسے ہی۔" وُہ مسکرائے۔

"ایسے ہی نہیں جناب۔ اس کی کوئی خاص وجہ تھی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"میں ایک سراغ رساں ہوں جناب عالی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہوں! تب میں کہوں گا۔ آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ وجہ خاص ہے۔"

"میں وجہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"کافی عرصہ سے ایسا ہو رہا تھا کہ ہم یہاں کوئی تجویز منظور کرتے، کوئی خفیہ پروگرام بناتے، بیرونی ملکوں کے وزرائے خارجہ سے کوئی اہم بات چیت کرتے اور پھر اس پر عمل شروع کرتے، لیکن وہ بے کار جاتا۔ دشمن ملکوں میں اس پروگرام کے خلاف پہلے ہی پیش بندی کی جا چکی ہوتی تھی۔ ہم یہ نتیجہ نکالتے کہ کسی طرح ہمارے پروگرام کی سن گن دشمن ملک کو لگ گئی، لیکن جب بار بار ایسا ہوا تو میں بہت پریشان ہوا، ہر ممکن احتیاط کر گزرا، لیکن فائدہ کوئی نہ ہوا۔ کئی ماہرین کو بلایا۔ وہ بھی کچھ ثابت نہ کر سکے۔ آج کے پروگرام کے بارے میں بھی میں فکر مند تھا کہ صاحبِ صدر نے آپ کے بارے میں اشارہ دیا۔ اور میں نے آپ کو

یہاں تک کہہ کر وہ رک گیا۔

"ہوں۔ کیا آپ آج کا اجلاس ملتوی کر سکتے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"اجلاس شروع ہونے میں اب وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ اور ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود بھی شاید یہ گفت گو سن لی جائے۔"

"آپ۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" شیخ خالد ابرار نے جلدی سے کہا۔

"آئیے۔ میں آپ کو دکھاتا ہوں۔"

انسپکٹر جمشید انھیں ایک فریم شدہ تصویر کے پاس لے آئے، اس کو ہٹا کر انھوں نے ان سوراخوں کی طرف وزیرِ خارجہ کی توجہ دلائی:

"یہ دیکھیے۔ ان سوراخوں کے ذریعے گفت گو کہیں اور سنی جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اس کمرے سے تاروں کا جال کسی دوسرے حصے تک پھیلا ہوا ہے۔" انھوں نے کہا۔

"اوہ!"

وزیرِ خارجہ دھک سے رہ گئے، رنگ سفید پڑ گیا، آنکھیں

خون سے پھیل گئیں۔

"باقی فریم بھی دیکھ لیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

باقی فریموں کے سوراخ دیکھ کر تو ان کی ٹانگوں سے جان نکل گئی۔ وہ گرتے چلے گئے۔

باسوں کی لائن

دوبارہ ہوش آیا تو وہ اسی کمرے میں تھے اور ایک بار پھر ہاتھ پیر ہلانے کے قابل نہیں تھے، باس اور یوگو بھی کمرے میں ہی موجود تھے:

"آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟"

"صرف اور صرف یہ کہ تم لوگ اب کچھ کرنے کے قابل نہ رہ جاؤ۔" باس بولا۔

"کیا مطلب؟" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"مطلب یہ کہ تمھاری ٹانگ ہر اہم معاملے میں اڑ جاتی ہے، ہم چاہتے ہیں، تمھاری ٹانگیں نہ رہیں، نہ ہوں گی، نہ اڑیں گی۔" اس نے کہا۔

"بھئی واہ! محاورتاً تم یہ کہنا چاہتے ہو، نہ ہوگا بانس، نہ بجے گی بانسری۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن اس صورت میں تم نے ہمیں بے ہوش کیوں کیا،

تمہیں تو چاہیے تھا، ہمیں جان سے مارتے۔"
" وہ لمحات بھی آنے والے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں، تمہارے
والد اور ان کے دوست تمہاری تلاش میں یہاں آ جائیں۔
پھر ایک ہی بار تم لوگوں کا کام تمام۔" یوگو نے گلے پر انگلی
پھیر کر کہا۔
" اللہ اپنا رحم فرمائے۔ کیا تم بتا سکتے ہو، شیخ صاحب کے
گھر میں کیا ڈراما رچایا جا رہا ہے؟"
" اجلاس میں ہونے والی تمام گفت گو ریکارڈ کی جائے گی۔
اور کسی دشمن مُلک کے حوالے کر دی جائے گی۔ لمبی چوڑی رقم ملے
گی اس طرح ہمیں۔"
" کیا پہلے بھی یہی کرتے رہے ہو؟"
" ہاں! دولت حاصل کرنے کا یہ آسان ترین نسخہ ہے۔"
" اور شیخ خالد ابرار آج تک اس بات کو محسوس نہیں کر
سکے؟"
" یہی تو ہمارا کمال ہے۔" باس مُسکرایا۔
" اچھا بھائی ہوگا۔ اب ہمیں آرام کرنے دو، بول بول
کر تھک سے گئے ہیں۔ تم دونوں جا سکتے ہو۔"
" ہمیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ انسپکٹر جمشید کا انتظار

" تو پھر بیٹھ جاؤ۔ کھڑے کھڑے تھک جاؤ گے۔" محمود نے
جھلا کر کہا۔
" ہاں ہا! یہ ٹھیک رہے گا۔ ہم باری باری تم دونوں پر
بیٹھیں گے۔ فرزانہ لڑکی ہے۔ اسے معاف کر دیتے ہیں۔" باس
نے کہا۔
" چلو خیر۔ تم میں اتنی تو شرافت ہے، ہم بھی اس
شرافت کے بدلے میں شرافت سے پیش آئیں گے۔" محمود
نے خوش ہو کر کہا۔
" شرافت سے پیش آؤ گے۔ کیا مطلب۔ تم بے چارے
کیا ہمارے ساتھ شرافت سے پیش آؤ گے۔" یوگو نے طنزیہ
لہجے میں کہا۔
" میرا مطلب تھا، اپنی باری پر۔"
" بس آ چکی تمہاری باری تو۔" باس ہنسا۔
" پانسہ پلٹتے کیا دیر لگتی ہے۔"
" فی الحال تو ہم تمہیں کرسیوں کے طور پر کام میں لاتے
ہیں۔" یوگو نے کہا۔
دونوں ان کے قریب آ گئے اور ان پر بیٹھنے لگے، لیکن
فرش پر گر کر لڑھک گئے۔ محمود اور فاروق تو ایک طرف
سرک گئے تھے۔ نہ صرف سرک گئے تھے، بلکہ انھوں نے

اچانک ان پر حملہ بھی کر دیا تھا، رہی سہی کسر فرزانہ نے پوری کر دی، اس نے باس کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لی۔

اب ان کے ہاتھ اور پیر بلا کی تیزی سے چل رہے تھے، چند منٹ میں ہی تینوں نے لاتوں اور مکوں سے انھیں بے دم کر دیا۔ مرمت سے زیادہ ان کے چہروں پر حیرت کے آثار تھے۔ جب وہ نڈھال ہو گئے تو ان تینوں نے اپنے ہاتھ روک لیے، اس وقت باس نے ہانپتے ہوئے کہا:

"یہ۔ یہ کس طرح ہو گیا؟"

"دوسری بار جب تم نے گیس چھوڑی تو ہم پوری طرح تیار تھے، لہٰذا اپنے سانس روک لیے اور بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے گر گئے۔ ایک منٹ بعد تم نے گیس کا سوئچ بند کر دیا۔ ان حالات میں بھلا ہم پر گیس کا اثر ہو سکتا تھا۔"

"نن۔ نہیں۔" یوگو ہکلایا۔

"میں نے کہا تھا نا۔ پانسہ پلٹتے کیا دیر لگتی ہے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"ان پانسوں میں بس یہی تو بری بات ہے۔ ہاں تو دوستو۔ اب بتاؤ۔ اس کمرے میں دروازہ کس طرح کھلے گا؟"

فاروق چہکا۔

"یوگو۔ تم بتا دو۔"

"کک۔ کیوں۔ اس سے کیا فرق پڑ جائے گا۔" یوگو ہکلایا۔

"باس کے سامنے قسم کھا سکوں گا۔"

"اور میرا کیا بنے گا؟" وہ فکر مند ہو گیا۔

"تمہارے بارے میں باس ہدایات تو مجھے ہی دے گا نا۔ میں اس وقت تمہارا احسان یاد رکھوں گا۔"

"دیکھ لو باس۔"

"بھئی یہ کیا۔ مسٹر یوگو۔ یہ تمہارے باس ہیں اور ان کے باس کوئی اور ہیں۔"

"ہاں! یہاں تو باسوں کی لائن لگی ہے۔"

"ارے باپ رے۔ کیا ہمیں ان سب سے ٹکرانا پڑے گا۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔ اس گروہ سے ٹکر لینا تم لوگوں کے بس کی بات نہیں ہو گی۔"

"کیا کر رہے ہو بھئی۔"

"اندازہ ہو جائے گا۔ یوگو۔ اٹھو دروازہ کھول دو۔"

"اٹھا نہیں جا رہا باس۔ ان لوگوں نے بہت بری طرح مارا ہے۔"

"صبر کرو۔ دیکھو، میں بھی صبر کیے پڑا ہوں کہ نہیں۔"

اس نے منہ بنایا۔

"اچھا باس۔ تم کیا یاد رکھو گے۔" لوگو یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھر اس نے سوئچ بورڈ میں لگا ایک سوئچ دبا دیا۔ فوراً ہی دیوار کے ایک کونے کے ساتھ ایک بغلی دروازہ نمودار ہوا۔

دروازے کو دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی۔ انھوں نے پہلے ان کے ہاتھ کمروں پر باندھ دیے، پھر انھیں چلنے کے لیے کہا:

دروازے سے نکل کر انھیں ایک چھوٹی سی سرنگ نظر آئی اور پھر سیڑھیاں اوپر جاتی دکھائی دیں، یہاں بھی ایک عدد سوئچ موجود تھا، اسے دباتے ہی دروازہ کھل گیا اور انھوں نے خود کو اسی کوارٹر میں پایا، جہاں ریکارڈنگ کے آلات کچھ دیر پہلے دیکھے تھے۔

"تو ہم ان کوارٹروں کے نیچے بنے ایک تہ خانے میں تھے، حیرت ہے۔ اس قدر بڑے پیمانے پر انتظامات کیے گئے ہیں اور ہمارے وزیرِ خارجہ صاحب کو پتا تک نہیں۔"

"یہ تمام کام غالباً اس وقت کیے گئے تھے جب کوٹھی تعمیر کروائی گئی۔ شیخ صاحب تو زیادہ تر بیرونی ملکوں کے ہوں نے کوٹھی ٹھیکیداروں

کے ذریعے بنوائی ہو گی۔ اب اس تعمیراتی کمپنی سے ملنا پڑے گا۔ یہ کام جس نے بھی لیا ہے۔ ان کی مدد کے بغیر نہیں لیا۔ ان سے گٹھ جوڑ ہوا ہوگا، پھر کہیں جا کر یہ چیزیں بنی ہوں گی۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے، لیکن پہلے تو ہمیں ابا جان سے ملاقات کرنا ہو گی۔ انھیں بھی تو حالات معلوم ہو جائیں۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ آؤ۔ ان کی سمت چلتے ہیں۔"

ایک ملازم سے معلوم ہوا کہ انسپکٹر جمشید کانفرنس روم میں ہیں۔ وہ اس سمت میں چل پڑے۔ کمرے میں داخل ہوئے ہی تھے کہ انھوں نے شیخ خالد ابرار کو گرتے دیکھا:

"یہ۔ یہ انھیں کیا ہوا ابا جان؟"

"اور۔ تم لوگ آ گئے۔ ٹھہرو۔ پہلے انھیں دیکھ لیں۔"

وہ شیخ صاحب پر جھک گئے، پھر انھیں صوفے پر ڈال دیا گیا، پانی کے چھینٹے دیے گئے۔ ڈاکٹر کو فون کیا گیا۔ آدھ گھنٹے بعد حالات معمول پہ آئے اور شیخ صاحب بات چیت کرنے کے قابل ہوئے۔

"آخر یہ سب کیا ہے انسپکٹر جمشید؟ آج کا اجلاس آپ ملتوی نہیں کر سکتے؟"

"ہاں! ضرور کر سکتا ہوں — اب تو اچانک طبیعت خراب ہونے کا جواز بھی ہے۔"

"بس تو پھر ایسا ضرور کریں — مہمانوں کے رُخصت ہو جانے کے بعد ہم تحقیقات کریں گے۔"

"اچھی بات ہے — میں اب ٹھیک ہی ہوں — لہٰذا باغ تک جا کر مہمانوں سے فارغ ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"کیا آپ کے پاس مہمانوں کی فہرست ہے، کیونکہ اس بات کا بھی زبردست امکان ہے کہ آپ کے مہمانوں میں سے کوئی اس سارے چکر کا ذمے دار ہو۔"

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے، پھر جلدی سے بولے:

"ٹھیک ہے، میرے پاس مکمل فہرست موجود ہے۔"

"آپ باغ میں ہو آئیں — میں ذرا ان سے دو دو باتیں کر لوں۔" انھوں نے ان تینوں کی طرف اشارہ کیا۔

شیخ خالد ابرار تھکے تھکے انداز میں باہر نکل گئے —

"ابھی تک ہم نے گھر کا کوئی فرد نہیں دیکھا — کیا یہ بات عجیب نہیں ہے؟"

"نہیں! اس لیے کہ تمام گھر کے افراد ایئر پورٹ گئے ہیں، شیخ صاحب کے بیٹے کو لینے کے لیے — یہ پارٹی دراصل اس کی شیخ صاحب اور ملازم یہاں

رُکے ہوئے ہیں — وہ بھی مہمانوں کی وجہ سے۔"

"تو کیا — اب شیخ صاحب اپنے بیٹے کے آنے سے پہلے ہی مہمانوں کو رخصت کر دیں گے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں جمشید — دعوت تو بہرحال کھلائی جائے گی — دعوت کے بعد جو خفیہ اجلاس کا پروگرام ہے، صرف وہ کینسل کیا جائے گا۔"

"ہوں — بات ٹھیک ہے — اب تم سناؤ — کیا کر آئے ہو، اتنی دیر کہاں لگائی؟" وہ ان کی طرف مڑے —

محمود نے اپنی کہانی سنا ڈالی — انسپکٹر جمشید کی نظریں ان دونوں پر جم گئیں —

"فاروق! تم ذرا اکرام کو فون کر دو، تاکہ ان کی مدد ذریعہ معلوم ہو جائے۔"

"جی بہتر! دیسے ان صاحب کا نام یوگو ہے اور یہ خود کو باس کہلاتے ہیں، لیکن صرف یوگو کے باس — ورنہ ان پر کوئی اور باس موجود ہے اور ان پر کوئی اور، اور ان پر..."

"تم جاتے ہو یا..." انسپکٹر جمشید بھنا اُٹھے۔

اور اس نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی —

"محمود تم گھر کے کسی ملازم کو بلاؤ، میں اس کے سامنے

اس شخص کا نقاب اُلٹنا چاہتا ہوں۔"

"جی بہتر!"

جلد ہی محمود اور فاروق اندر داخل ہوئے، ان کے ساتھ دو مُلازم بھی تھے۔

"انکل آ رہے ہیں۔"

"ہُوں ٹھیک ہے۔" انھوں نے کہا اور مُلازموں کی طرف مُڑے:

"آپ اس گھر میں کب سے ملازم ہیں؟"

"کافی عرصہ ہو گیا۔"

"ان صاحب کو جانتے ہیں؟"

"جی نہیں۔ پہلی بار دیکھ رہے ہیں۔"

"اور ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟" یہ کہ کر انسپکٹر جمشید نے یوگو کے باس کا نقاب اُلٹ دیا۔

دونوں مُلازم لڑکھڑا گئے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں:

"یہ۔ یہ تو ماجد صاحب ہیں۔"

"کون ماجد صاحب؟"

"یہ ہمارے انچارج ہیں، یعنی ملازموں کے انچارج۔"

"ہے۔ کوٹھی سے تو

اس کا کوئی تعلق نہیں، پھر یہ یہاں کیسے نظر آ رہا ہے؟

"آپ کے کسی سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔"

"ایسی بھی کوئی بات نہیں بھئی۔ تمھارے تو فرشتے بھی ہمارے ہر سوال کا جواب دیں گے۔ تم تو شیخ صاحب کے سٹینو ہو۔ تم تو یہاں موجود ہو سکتے ہو، سوال یہ ہے کہ یوگو یہاں کیسے موجود ہے؟"

"میں کہ چکا ہوں۔ جواب نہیں دوں گا۔"

"میں سمجھ گیا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی آپ کیا سمجھ گئے؟"

"ابھی نہیں بتا سکتا، لیکن تھوڑی دیر بعد عملی طور پر دکھاؤں گا کہ یوگو اندر کس طرح آتا ہے۔"

اور پھر اکرام وہاں پہنچ گیا:

"ان دونوں کے بارے میں کیا خیال ہے اکرام؟"

اکرام کی نظریں ان دونوں پر جم گئیں، پھر اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

"یہ ریکارڈ پر نہیں ہیں۔"

"ہوں۔ خیر۔ ان دونوں کو قابو میں کر لو۔"

اسی وقت باہر گاڑیاں رُکنے کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی الارم بجنے لگا:

"اوہو۔ چھوٹے صاحب آگئے۔ ہمیں اجازت دیں جناب، ان کا استقبال کرنے کے لیے ہمیں دروازے پر موجود ہونا چاہیے۔" ایک ملازم نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔آپ لوگ جائیے، ضرورت ہوئی تو پھر بلا لیں گے۔" انھوں نے کہا۔

ملازم دوڑ لگا گئے۔

"آخر اس کوٹھی میں ہو کیا رہا ہے جمشید؟" خان رحمان بولے۔

"شاید۔جس وقت سے یہ کوٹھی بنوائی گئی ہے۔ اس وقت سے یہاں ہونے والی ہر کارروائی کو سنا جاتا رہا ہے، اور دشمن ملک تک پہنچایا جاتا رہا ہے۔"

"اُف مالک۔یہ۔یہ کس قدر خوف ناک ہے۔"

"ہاں! حد درجے خوف ناک، لیکن مجھے حیرت ایک اور بات پر ہے۔"

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ۔ہال میں ہونے والی گفت گو سننے کے لیے وہ تار پھیلانے کی ضرورت نہیں تھی، پھر ان لوگوں نے یہ حرکت کیوں کی؟"

"صرف اس لیے کہ ہم تار وغیرہ ہٹا کر پوری طرح مطمئن

ت نہ سمجھیں، لیکن انھیں

یہ معلوم نہیں تھا کہ شیخ صاحب ہمیں بلا لیں گے اور ہم معاملے کو اس تار پر ختم نہیں کریں گے۔تار کے بارے میں تحقیقات کی جاتی، لیکن شاید کوئی سراغ نہ لگایا جا سکتا۔ وقتی طور پر شیخ صاحب بھی اطمینان کا سانس لیتے کہ چلو۔ سازش تو پکڑی گئی، اب اطمینان سے اجلاس کی کارروائی ہو سکتی ہے۔تار کا چکر بھی انھیں اس مرتبہ اس لیے چلانا پڑا کہ شیخ صاحب بہت چوکنے ہو گئے تھے۔انھیں فکر تھا کہ کہیں فریموں کے پیچھے سوراخ نہ دیکھ لیے جائیں۔اور معاملہ لمبا نہ ہو جائے۔"

"گویا اب ہمیں صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ باس کا باس کون ہے۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"ہاں! ہم شیخ صاحب سے دو باتیں کر لیں، پھر ان دونوں کو لے کر دفتر چلتے ہیں۔"

شیخ صاحب کو ان کے پاس آنے میں ایک گھنٹا لگ گیا، وہ بیوی بچوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔ایک بڑے لڑکے کے گلے میں ہار دیکھ کر انھوں نے جان لیا کہ وہ بیرونِ ملک سے آیا ہے۔

"سب لوگ جا چکے ہیں انسپکٹر صاحب۔میرے بیوی بچوں سے ملیے۔یہ بیگم ہیں۔نام ہے رضوانہ۔بڑے بیٹے کا

نام کاشف ہے، اس سے چھوٹے یہ ہیں آصف اور بچّی کا نام عامرہ ہے۔ بس یہ مختصر سا خاندان ہے میرا۔"

"آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ اب میں آپ کو کچھ سنسنی خیز خبریں سنانا چاہتا ہوں۔"

"میں ذہنی طور پر تیار ہوں۔ آپ فرمائیں۔"

"نہ جانے کتنے عرصے سے۔ بلکہ شاید اس وقت سے جب سے یہ کوٹھی بنی ہے۔ یہاں ہونے والی کارروائی کو مکمل طور پر سُنا جاتا رہا ہے۔"

"جی۔ کیا مطلب؟" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"فریموں کے پیچھے آپ سوراخ تو دیکھ چکے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"صرف میں نے دیکھے ہیں۔ ان لوگوں نے نہیں۔" شیخ خالد ابرار نے فوراً کہا۔

"خیر۔ انھیں بھی دکھا دیتا ہوں۔ آئیے اس طرف۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

انھوں نے فریموں کے پیچھے دیواروں میں بنائے گئے باریک ترین سوراخ ان لوگوں کو دکھائے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں

"اُف مالک۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔"

"ابھی آپ نے کچھ نہیں دیکھا۔ آئیے میرے ساتھ۔" انھوں نے کہا۔

اب وہ انھیں سرونٹ کوارٹر نمبر ۳ میں لائے:

"یہ کوارٹر کس کے پاس ہے؟"

"کسی کے پاس بھی نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"جب سے کوٹھی بنی ہے۔ اس میں کوئی مُلازم نہیں رہا۔ کوارٹر بہت زیادہ ہیں اور مُلازم کم۔ میں زیادہ مُلازم رکھنے کا عادی نہیں۔"

"ہوں خیر۔ محمود دروازہ کھولو بھئی۔"

"دروازہ۔ کیا مطلب؟" رضوانہ بولیں۔

"ابھی دکھاتے ہیں۔"

محمود نے آگے بڑھ کر سوئچ دبایا تو سُرنگ کا دروازہ کھُل گیا:

"ارے۔ یہ کیا؟"

"ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے۔ آئیے۔"

اور وہ سرنگ میں چلتے تہ خانے کے دروازے تک آئے۔ محمود نے پھر سوئچ دبایا۔

اب انھیں سیڑھیاں نظر آئیں، مارے حیرت کے ان کا برا حال تھا، رنگ زرد پڑ گئے تھے، شیخ خالد ابرار صاحب کا تو وہ حال تھا، کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، جسم میں تھرتھراہٹ تک محسوس ہو رہی تھی۔ اور پھر وہ بند کمرہ دیکھ کر ان کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"اصل میں آوازیں یہاں بیٹھ کر سنی جاتی رہی ہیں، اور یہیں سے باہر لے جائی جاتی ہیں۔ ریکارڈ لینے اور گفتگو سننے کے لیے کوٹھی میں سے نہیں آنا پڑتا۔" انھوں نے کہا۔

"جی۔ کیا مطلب؟ اس بار محمود، فاروق اور فرزانہ کی آوازیں بھی شامل تھیں۔"

"ہاں! اس بند کمرے سے ہی کوئی راستا ایسا نکلتا ہے۔ جو کوٹھی کے آس پاس یا تو کسی کوٹھی میں نکلتا ہے۔ یا کسی جھاڑی وغیرہ کی اوٹ میں۔"

"اُف مالک!"

"اور اب میں وہ راستا تلاش کر کے دکھاتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اب وہ اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ محمود، فاروق [illegible] س منٹ بعد ہی چاروں وہ دروازہ کھولنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ یہ دروازہ دوسری طرف تھا۔

اب جو وہ اس سے داخل ہو کر دوسری طرف آئے تو اس طرف بھی ایک سرنگ تھی۔

کوٹھی کی کہانی

دُوسری سُرنگ انھیں ایک کوٹھی کے کمرے میں لے آئی، جب وُہ اس کوٹھی سے باہر نکلے تو تھوڑے ہی فاصلے پر شیخ صاحب کی کوٹھی نظر آ رہی تھی ۔

"یہ کوٹھی کس کی ہے؟" انسپکٹر جمشید نے شیخ خالد ابرار سے پوچھا۔

"ایک بہت دولت مند آدمی نے بنوائی تھی، لیکن اس میں جن رہنے لگ گئے ۔ جب وہ کسی کو کرائے پر دیتے ہیں، جن کرائے داروں کو تنگ کرنے لگتے ہیں۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے ۔ آپ کے گھر میں جاسوسی کرنے کے لیے اس کوٹھی میں جن بسائے گئے ۔ اور آپ کی کوٹھی سے سرنگ یہاں تک لائی گئی ۔ تاکہ یہاں سے جب ضرورت ہو، اس تہ خانے میں پہنچ کر گفت گو سُنی جا سکے، ... ح جاسوسی کا یہ مکمل

انتظام کیا گیا ۔ یہ سارا انتظام جس مہارت سے کیا گیا ۔ اس نے مجھے حیرت میں ڈال دیا ہے، کوئی زبردست دماغ پروگرام ترتیب دیتا رہا ہے ۔ اس وقت سے جب آپ نے یہ کوٹھی بنوانا شروع کی ۔ اس سے پہلے کہ ہم آپ سے معلومات حاصل کریں، اس کوٹھی کا جائزہ لے لیں کہ یہاں کچھ ہے یا نہیں۔ ویسے کیا وُہ سیٹھ صاحب اس کو تالا لگا کر نہیں رکھتے؟"

"میں نے تو ہمیشہ تالا لگا دیکھا ہے۔"

"تب ان لوگوں نے کوئی اور راستا آنے جانے کا بنا رکھا ہو گا۔"

انھوں نے اس کوٹھی پر صرف پانچ منٹ صَرف کیے، اور وُہ پچھلا راستا تلاش کر لیا ۔ جس کے ذریعے سے آمدورفت ہوتی تھی ۔ یہ ایک چھوٹا دروازہ تھا، اس پر تالا نہیں تھا، دوسرے یہ کہ اس کوٹھی کے نیچے بھی ایک چھوٹا سا تہ خانہ تھا، اس میں جنوں اور بھوتوں کے پروگرام ریکارڈ شدہ موجود مل گئے۔ ان کیسٹس کو جب چلایا گیا تو کوٹھی جنوں اور بھوتوں کی آوازوں سے گونجنے لگی :

"آئیے چلیں، یہ مسئلہ تو ہو گیا حل ۔ یہاں باقی کام اکرام کر لے گا ۔ اکرام تم نہایت احتیاط سے ہر چیز پر سے انگلیوں

کے نشانات اُٹھاؤ گے اور بھی جو کچھ معلوم کر سکو۔"

"او کے سر۔ آپ فکر نہ کریں۔"

اب وُہ شیخ خالد ابرار کے ساتھ ان کی کوٹھی میں آ گئے۔ سب کے چہرے اُترے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں پریشانی اور خوف صاف نظر آ رہے تھے۔

"اب آپ اس کوٹھی کی کہانی سُنائیے۔"

"کوٹھی کی کہانی!" انھوں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں! کوٹھی کی کہانی۔"

"آپ اس کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہیں؟"

"یہ کوٹھی کب اور کن حالات میں تعمیر کرائی گئی؟"

"پہلی بیوی فوت ہوئی تو میں اور بچے بہت اداس رہنے لگے تھے، اس وقت ہم اپنی آبائی حویلی میں رہتے تھے، لیکن خالدہ کی وفات کے بعد اس حویلی کی دیواریں ہمیں کاٹ کھانے کو دوڑنے لگیں۔ لہٰذا میں نے یہاں زمین خریدی اور کوٹھی بنانے کا پروگرام بنایا، لیکن چونکہ میرے پاس ایسے کاموں کے لیے وقت نہیں تھا، اس لیے میں نے کوٹھی بنانے کا ٹھیکہ ایک تعمیراتی فرم کو دے دیا۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

"مگر ... کے دوران کوئی بھی کام

کی نگرانی نہیں کرتا رہا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"خیر ایسی بات بھی نہیں۔ میرے بچے اکثر چکر لگاتے رہتے تھے۔ رضوانہ بھی اس کام میں دلچسپی لیتی رہی۔ بس میں اس طرف توجہ نہ دے سکا۔"

"پھر بھی۔ بچے اور بیگم صاحبہ ہر وقت تو یہاں نہیں رہتے ہوں گے۔"

"بالکل نہیں۔ دن میں کبھی ایک چکر لگا لیا، کبھی دو۔ کبھی یہاں ایک گھنٹا ٹھہر گئے، کبھی دو گھنٹے۔"

"ہوں! میں سمجھ گیا، ان حالات میں تو یہ تہ خانے اور سرنگ وغیرہ بنانا بہت آسان کام تھا۔ اور اس دوسری کوٹھی تک سلسلہ قائم کرنا بھی مشکل نہیں تھا، لیکن ہاں۔ کیا یہ ساتھ والی کوٹھی اس وقت بھی آسیب زدہ مشہور تھی؟"

"اس بات پر غور کرنا پڑے گا۔" انھوں نے اُلجھن کے عالم میں کہا۔

"یہ اس کیس کا ایک اہم سوال ہو سکتا ہے۔" انھوں نے کہا۔

"میں یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم لوگ بھی ذہن دوڑاؤ بچو۔" انھوں نے بیوی بچوں کی طرف دیکھا۔ پانچوں سوچ میں ڈوب گئے، پھر بیگم خالد بولیں:

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے — یہ ان دنوں بھی آسیب زدہ
مشہور تھی، کیونکہ جب ہم حویلی سے یہاں آئے تھے تو
اس کے بارے میں سننے میں آیا تھا اور چیخ و پکار کی
آوازیں بھی سنائی دی تھیں۔"

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا ممی۔" بڑے بیٹے نے کہا۔

"شکریہ! ہم پرانی حویلی بھی دیکھنا پسند کریں گے۔"

"کیوں! اسے دیکھنے کی بھلا کیا ضرورت"؟ ان کے لہجے
میں حیرت تھی۔

"ہم جب کسی کیس پر کام کرتے ہیں تو اس کے کسی
پہلو کو نظر انداز نہیں کرتے۔"

"ٹھیک ہے — میں ملازم کو ساتھ بھیج دیتا ہوں۔"

"اور ہاں! آپ اپنے ملازم ماجد کے بارے میں کیا
کہتے ہیں؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں — میرے تو وہم و گمان میں نہیں
تھا کہ وہ غدار ہو سکتا ہے۔"

"اس سے ہم بات کر لیں گے — آپ یہ بتائیں — اسے
کب ملازم رکھا گیا؟"

"گھریلو ملازم رکھنا بیگم صاحبہ کی ذمے داری ہے — ان

ہیں، کیونکہ گھر کے کام

ر انھیں لینا ہوتے ہیں نہ کہ مجھے۔"

"میں سمجھ گیا — بیگم صاحبہ — آپ ماجد کے بارے میں کیا
کہہ سکتی ہیں؟"

"جب ہم اس کوٹھی میں آئے تو سابقہ پانچ ملازم کم
محسوس ہوتے، میں نے خیال کیا، ان پر کوئی نگرانی کرنے
والا بھی ہونا چاہیے؛ چنانچہ میں نے اخبار میں اشتہار دے
دیا، دوسرے دن کئی آدمی انٹرویو دینے کے لیے آئے، ان
میں سے ماجد ہی موزوں آدمی نظر آیا اور میں نے اسے ملازم
رکھ لیا — اب یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ
غدار ثابت ہو گا۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے — ماجد کو یہاں بھیجنے کا پہلے ہی
بندوبست کر لیا گیا تھا۔"

"یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بیگم صاحبہ اخبار میں
اشتہار نہ دیتیں تو ماجد کس طرح ملازمت حاصل کرتا؟"

"اس صورت میں وہ کوئی اور ترکیب کرتے، لیکن
ان کی آسانی کے لیے بیگم صاحبہ نے اشتہار دے دیا — انھیں
اور کیا چاہیے تھا۔"

"افسوس! اگر مجھے معلوم ہوتا تو..." وہ کہتے کہتے رک
گئیں —

"فکر نہ کریں۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے، پھر بولے:

"اور ہاں! اس تعمیراتی کمپنی کا نام بھی بتا دیں۔ جس نے کوٹھی تعمیر کی تھی، کیونکہ اصل میں تو کیا دھرا اس کے کاری گروں کا ہے۔"

"جاسا اینڈ کو۔"

"ضرور یہی بات ہے۔ میں تو کہتا ہوں۔ اس پوری فرم کو گرفتار کر لیا جائے۔" شیخ صاحب غصے کے عالم میں بولے۔

"ابھی اس کی ضرورت نہیں، پہلے ہم تحقیقات کر لیں۔" وہ بولے۔

اور پھر وہ ایک ملازم کے ساتھ پرانی حویلی پہنچے۔ یہاں بڑا سا ایک تالا لگا ہوا تھا۔ ملازم نے تالا کھولا۔ اندر سے کئی چمگادڑیں چیں چیں کرتی ان کے سروں پر سے گزر گئیں۔

ہر چیز پر گرد کی ایک موٹی تہ جمی تھی۔ جگہ جگہ جالے لگے تھے۔ بجلی کا نظام بھی خراب پڑا تھا۔ لیکن دن کے اُجالے میں بجلی کی روشنی کی ضرورت نہیں پڑی اور وہ ایک ایک کمرہ اور ہر کمرے کی ایک ایک چیز چیک کرتے

"آخر اس حویلی سے موجودہ کیس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے جمشید۔" خان رحمان نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"شاید کوئی تعلق ثابت نہ ہو سکے، لیکن ہو سکتا ہے کوئی تعلق نکل آئے۔"

"میں تو یہ سمجھتا ہوں۔ ہمیں سب سے پہلے تعمیراتی کمپنی جاسا اینڈ کو سے بات کرنا چاہیے۔"

"جاسا اینڈ کو کہیں بھاگی نہیں جا رہی۔"

"لیکن ابا جان۔ اس حویلی کے بارے میں آپ کا یہ خیال کیوں ہے؟" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"میرا مطلب ہے۔ یہ حویلی بھی تو کہیں بھاگی نہیں جا رہی۔" اس نے شریر انداز میں کہا۔

"خاموش رہو بھئی۔ ان حالات میں میں تم سے اپنا دماغ نہیں چٹوا سکتا۔"

"جی بہتر۔ میں انکل کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں۔"

"گویا تم دماغ چاٹنے پر تل گئے ہو۔" فرزانہ مسکرائی۔

"وحشت تیرے کی۔ آخر اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر ہی دیں۔"

"اِدھر اُدھر کی ان باتوں میں بس یہی تو بڑی بات

ہے کہ شروع ہو جاتی ہیں۔" فاروق بڑبڑایا۔

"کک۔ کون شروع ہو جاتی ہیں؟" پروفیسر داؤد ہکلائے۔

"بج۔ جی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں۔"

"اوہ ہاں واقعی۔ یہ تو ہے۔" پروفیسر داؤد نے ہاں میں سر ہلایا۔

"آپ بھی کس کی باتوں میں آ گئے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

"فاروق۔" وہ بولے۔

"اوہو۔ یہ۔ یہ تصویر کس کی ہے؟"

فرزانہ نے ایک گرد آلود تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ گرد کی وجہ سے تصویر بہت مدھم نظر آ رہی تھی۔ ملازم نے کپڑے سے تصویر کو صاف کیا اور پھر خود ہی بول اُٹھا:

"یہ بڑی بیگم صاحبہ کی تصویر ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے۔ شیخ صاحب کی پہلی بیوی کی؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں۔" اس نے کہا۔

"جس وقت انھوں نے وفات پائی۔ اس وقت بھی آپ شیخ صاحب کے ملازم تھے؟"

"جی ہاں [illegible] گھر کا ملازم ہوں۔"

"اوہو! یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ آپ کا نام کیا ہے؟"

"میرا نام غیاث دین ہے۔"

"تو بھائی غیاث دین صاحب۔ ہمیں ان بیگم صاحبہ کے بارے میں بتائیں۔ یہ کس قسم کی عورت تھیں اور ان کی وفات کس طرح ہوئی تھی؟"

"یہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں۔ ایک صبح اپنے کمرے میں مُردہ ملی تھیں۔ شیخ صاحب اس وقت سیکرٹری وزیرِ خارجہ تھے۔ انھوں نے فوراً ڈاکٹر صاحبان کو بلوایا، لیکن ڈاکٹر بھلا کیا کر سکتے تھے۔"

"اوہ۔ تو پھر؟"

"انھوں نے بتایا کہ بیگم صاحبہ کے دماغ کی کوئی رگ پھٹ گئی ہے۔"

"اور پھر۔ پھر کیا ہوا؟"

"پھر کیا ہونا تھا۔ شیخ صاحب خوب روئے۔ اور اپنی چہیتی بیوی کو دفن کر دیا۔ اور کر ہی کیا سکتے تھے۔"

"اور اس کے بعد انھوں نے دوسری شادی کر لی؟"

"ہاں! یہ دوسری شادی انھوں نے خود کی تھی۔ اپنی پسند سے۔"

"پسند سے کی تھی ـ یہ بات آپ کس طرح کہ سکتے ہیں؟"

"رضوانہ صاحبہ ان کے دفتر میں ان کی اسسٹنٹ تھیں ـ بیوی کے فوت ہونے کے چند ماہ بعد انھوں نے رضوانہ صاحبہ سے شادی کی درخواست کی ـ اس درخواست پر رضوانہ صاحبہ بہت گھبرائی تھیں، لیکن پھر انھوں نے ہاں کر دی ـ اس طرح یہ شادی ہو گئی۔"

"اب مجھے ان ڈاکٹر صاحبان سے بھی ملنا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے ـ

"کیوں ابا جان! کیا آپ شیخ صاحب پر شک کر رہے ہیں؟" محمود بولا ـ

"تم جانتے ہو محمود کسی کیس پر کام کرتے ہوئے میں کسی کو بھی شک سے بری خیال نہیں کیا کرتا۔"

"جی ہاں! یہ تو ہمیں معلوم ہے، لیکن اس کیس میں کم از کم شیخ خالد مجرم نہیں ہو سکتے۔"

"کیوں ـ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟"

"اس لیے کہ وہ اپنی ہی کوٹھی سے حاصل کردہ معلومات خود ہی کیوں دشمنوں کے حوالے کرنے لگے؟"

"ایسا ہونے کے امکانات بہت کم ہیں، لیکن یہ بات

 وں نے یہ سارے

انتظامات اس لیے کیے ہوں کہ اپنی گردن بچا سکیں ـ مطلب یہ کہ چوری پکڑی جائے تو کہ سکیں کہ انھیں کوئی علم نہیں، یہ کسی اور کا کام ہے۔"

"پھر بھی ـ دل نہیں مانتا۔" محمود بولا ـ

"تو میں نے کب کہا ہے کہ دل کو ماننے پر مجبور کرو، ویسے میرا خیال ہے، ہم اس کیس کو غیاث دین کی مدد سے حل کر سکتے ہیں۔"

"جی ـ کیا مطلب؟" غیاث دین اچھلا ـ

"ہاں بھئی ـ میں جانتا ہوں ـ آپ کو کچھ اہم باتیں معلوم ہیں۔"

"یہ ـ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں؟"

"تو کیا میرا خیال غلط ہے؟"

"جی ہاں! بالکل ـ مجھے اس سارے معاملے کے بارے میں کچھ بھی تو معلوم نہیں۔"

"اور ماجد کے بارے میں؟"

"ماجد کے بارے میں ـ کیا مطلب ـ اس کے بارے میں آپ مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں جاننا چاہتا ہوں ـ وہ کس طرح ملازم رکھا گیا تھا؟"

"میں بھی اتنا کچھ ہی جانتا ہوں ـ جتنا کہ آپ کو بیگم

صاحبہ نے بتایا ہے۔"

"جب کوٹھی تعمیر ہو رہی تھی ۔ اس وقت آپ کہاں ہوتے تھے؟"

"حویلی میں ہی۔"

"کبھی اس دوران نئی بننے والی کوٹھی نہیں گئے؟"

"میں نے یہ کب کہا جناب کہ میں ادھر آیا ہی نہیں تھا، کئی مرتبہ کسی کام کی غرض سے آنا جانا ہوا۔"

"اگر آپ کوئی خاص بات جانتے ہیں تو بتا دیں ۔ فائدے میں رہیں گے۔"

"نن ۔ نہیں جناب ۔ میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ نے اپنے والد کی طرف چونک کر دیکھا ۔ ان کی نظریں اب بھی غیاث دین پر جمی تھیں:

"اگر مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ آپ کو فلاں بات معلوم تھی ۔ تو پھر میں آپ کو حوالات میں بند کرا دوں گا۔"

"یہ ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"اس حویلی میں کوئی تہ خانہ ہے؟"

"تہ خانہ ۔ یہاں ۔ نہیں بالکل نہیں ۔ اور اگر ہے تو میرے علم میں نہیں۔" اس نے پریشان آواز میں کہا۔

، ماندہ حویلی کا جائزہ

لیتے ہوئے آگے بڑھنے لگے ۔ اچانک وہ ان کی طرف مڑے:

"مجھے ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے۔"

"اور وہ کیا؟"

"ہو سکتا ہے، اس حویلی میں بھی گفت گو ریکارڈ کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہو۔"

"جی ۔ کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے، اس نظریے کے مطابق بھی کام کرنا چاہیے۔"

"اوہ واقعی۔" پروفیسر داؤد بولے ۔

"اور اب تو ہمارے پاس آلات موجود ہیں ۔ پروفیسر صاحب کو زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

"اور اگر لگ بھی جائے تو کیا ہے۔"

انھوں نے یہ کام شروع کر دیا، لیکن ایک گھنٹے کی محنت کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ انسپکٹر جمشید کا یہ خیال غلط تھا ۔

"زندگی میں شاید پہلی مرتبہ آپ کا خیال غلط ثابت ہوا ہے۔"

"نہیں بھئی ۔ یہ بالکل غلط ہے۔" وہ مسکرائے ۔

"جی ۔ کیا مطلب ۔ کیا غلط ہے ۔ یہ کہ آپ کا خیال غلط نہیں ہے۔"

"یہ بات نہیں ۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ زندگی میں نہ جانے

کتنی مرتبہ میرا خیال غلط ثابت ہوا ہے۔ آخر میں انسان ہوں۔"

"ہاں! یہ تو خیر ٹھیک ہے، پھر اب کیا پروگرام ہے؟ یہاں آنے کا تو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔"

"آؤ۔ ذرا۔ اب ماجد اور یوگو سے دو دو باتیں کر لیں، ضرورت محسوس ہوئی تو انھیں کمرۂ امتحان میں لے جائیں گے۔"

وہ وہاں سے روانہ ہوئے، غیاث دین کو انھوں نے فارغ کر دیا۔ دفتر پہنچ کر وہ حوالات میں داخل ہوئے۔ ماجد اور یوگو سو رہے تھے۔ گہری نیند۔ انھیں ہلایا جلایا گیا، لیکن وہ ٹس سے مس تک نہ ہوئے۔ اچانک وہ زور سے اُچھلے اور آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں:

"اوہو۔ یہ۔ یہ تو مر چکے ہیں۔"

"جی!" حوالات کے انچارج نے اُچھل کر کہا۔

"یہاں۔ ان سے کوئی ملنے آیا تھا؟"

"ن۔ نہیں جناب۔ اگر آیا بھی تو ملاقات کی اجازت نہ دی جاتی۔ سب انسپکٹر صاحب کی ہدایات یہی تھیں۔"

"محمود! ڈاکٹر کو فون کرو۔ یہ بہت بُرا ہوا۔ ان سے ضرور کوئی کام کی بات معلوم ہو سکتی تھی۔ اور ہاں! اکرام کو بھی بلاؤ۔"

جلد ہی ڈاکٹر آ گیا۔ اکرام بھی اس کے ساتھ اندر داخل ہوا، وہ کافی فکر مند نظر آ رہا تھا۔ ڈاکٹر دونوں لاشوں پر جھک گیا۔ اور پھر اس نے سیدھے ہوتے ہوئے کہا:

"ان کی موت زہر سے ہوئی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے۔ انھوں نے خودکشی کر لی ہے۔ افسوس! ہم نے ان کی تلاشی کیوں نہ لی۔ انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اب وہ ویسے بھی پھانسی کے تختے سے نہیں بچ سکیں گے۔ لہٰذا خودکشی کر لی۔ ان کے پاس ضرور زہر موجود تھا۔" انھوں نے روانی کے عالم میں کہا۔

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"اوہو! یہ۔ یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔" اچانک فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

مجبوری ہے

"جو کچھ دیکھ رہی ہو، جلدی سے ہمیں بھی دکھا دو، یا اتنی دیر کے لیے ہمیں اپنی آنکھیں ادھار دے دو۔" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"ارے باپ رے۔آنکھیں دے دوں۔آنکھیں تو میں مرنے کے بعد بھی نہیں دے سکتی۔"

"یہ کیا بات ہوئی، آج کل تو ایسی خبریں عام پڑھنے میں آتی ہیں کہ فلاں نے مرتے وقت اپنی آنکھیں کسی اندھے کو دے دینے کی وصیت کی وغیرہ۔اور تم کہ رہی ہو، مر کر بھی نہیں دے سکتیں۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"فرزانہ ٹھیک کہ رہی ہے۔شرعی لحاظ سے کوئی انسان اپنے جسم کا کوئی حصہ کسی دوسرے انسان کو نہیں دے سکتا، مرنے کے بعد بھی نہیں دے سکتا، ہاں خون دینے

"اچھا! یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی۔کیا یہی بات ہے ابا جان؟" فاروق ان کی طرف مڑا۔

"ہاں! مسئلہ بالکل یہی ہے۔"

"اور ہم یہ بات بھول گئے کہ فرزانہ کو کوئی چیز نظر آئی تھی۔"

"چیز بہت معمولی ہے۔ہو سکتا ہے، اس کا کیس سے کوئی تعلق نہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی تعلق نکل آئے۔" فرزانہ نے کہا۔

"آخر وہ چیز ہے کیا؟" خان رحمان نے تنگ آ کر کہا۔

"وہ دیکھیے۔سونے کا ایک کلپ۔ماجد کی مٹھی میں دبا ہوا ہے۔"

"زنانہ کلپ۔ایک مرد کے ہاتھ میں۔بات واقعی عجیب ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"چلیے شکر ہے۔اس کیس کے دوران کوئی بات تو عجیب نظر آئی۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

انسپکٹر جمشید نے کلپ اس کی مٹھی سے نکالا، ایک کاغذ میں لپیٹا اور جیب میں رکھ لیا۔تھوڑی دیر بعد وہاں اکرام اور اس کے ماتحت پہنچ گئے۔انھوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ایسے میں انسپکٹر جمشید بولے:

"خیال رہے اکرام۔ ان کے پوسٹ مارٹم نہایت احتیاط سے کرائے جائیں گے۔ ہمیں اس زہر کا نام بھی معلوم کرنا ہے جس سے یہ ہلاک ہوئے۔ سمجھ گئے؟"

"جی ہاں!"

"اور ابھی ابھی مجھے ایک خیال آیا ہے۔ زور دار خیال۔" محمود نے دبی آواز میں کہا۔

"زور دار خیال اور تمہیں۔ بھول تو نہیں رہے بھئی۔" فاروق کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"حد ہو گئی۔ یہ بھولنے کی بات کیسے ہو سکتی ہے۔" فرزانہ اس کی طرف مڑی۔

"ہو سکتی ہے۔ زور دار خیال تمہیں آتے ہیں نہ کہ محمود کو۔ یا پھر ہو سکتا ہے خیال اِدھر سے اُدھر پھسل گیا ہو۔"

"یار چُپ رہو۔ کام کی بات درمیان میں رہ جاتی ہے۔" انسپکٹر جمشید تلملا اٹھے۔

"جی بہتر! پہلے کام کی بات۔ ہاں محمود۔ تو وہ زور دار خیال کیا ہے؟"

"فرض کر لیتے ہیں۔"

"کم از کم فرزانہ تو فرض نہیں کرے گی۔ پہلے ہی الجبرے

وق پھر بول اٹھا۔

"دیکھا آپ نے پروفیسر صاحب۔ یہ چُپ ہوا ہے۔"

"ہاں دیکھا ہے۔ اللہ اسے اس طرح چپ رہنے کی اور بھی توفیق دے۔" پروفیسر داؤد خوش ہو کر بولے۔

"آپ دونوں نے ہی تو اسے سر پر چڑھا رکھا ہے۔"

"ارے باپ رے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔

"کیا کیسے ہو سکتا ہے؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت در آئی۔

"یہ کہ۔ فاروق فرش پر بھی کھڑا ہو اور ہمارے سروں پر بھی چڑھا ہوا ہو۔ یہ انسان ہے یا جن۔"

"اب تم بھی اس کا ساتھ دو گے کیا۔" انسپکٹر جمشید نے آنکھیں نکالیں۔

"مم۔ میری توبہ۔" خان رحمان گھبرا گئے۔

"کک۔ کہیں وہ زور دار خیال زور دار انداز میں محمود کے ذہن سے نہ نکل جائے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ محمود مہربانی فرما کر خیال کو ذہن میں محفوظ رکھنا۔ کبھی نہ کبھی تو معلوم کرنے کے قابل ہو ہی جائیں گے۔" فرزانہ گھبرا کر بولی۔ اور وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

"میرا خیال ہے۔ میں خیال بتا ہی دوں۔ تاکہ کسی ایک کو تو یاد رہ جائے۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"یہ ترکیب بھی بُری نہیں۔" فرزانہ نے سر ہلایا۔

"تو پھر سنیں، خیال یہ آیا ہے کہ فرض کر لیتے ہیں۔ ان کے پاس زہر نہیں تھا۔ اس صورت میں انھیں زہر کس طرح دیا گیا؟"

"ویری گڈ۔ اچھا سوال ہے۔ ایک منٹ ٹھہرو۔"

یہ کہہ کر انھوں نے حوالات کے دروازے پر موجود نگران کو اشارہ سے بُلایا، وُہ انھی کی طرف دیکھ رہا تھا:

"ان دونوں نے کوئی کھانے پینے کی چیز تو نہیں منگوائی تھی؟" انھوں نے پوچھا۔

"جی ہاں! چائے منگوائی تھی۔" اس نے فوراً کہا۔

"اس چائے میں تم نے زہر کیوں ملایا؟" ان کا لہجہ سرد تھا۔

"م۔ میں نے۔ نن۔ نہیں تو سر۔"

"اُلٹا لٹکا دوں گا۔" انسپکٹر جمشید کا لہجہ انتہائی سخت ہو گیا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں سر۔ میں نے زہر نہیں ملایا۔"

[illegible]

"چائے کہاں سے منگوائی تھی؟"

"ہمارے ہاں چائے وغیرہ نگینہ ہوٹل سے آتی ہے۔"

"اکرام اس بیرے کو پکڑ کر لے آؤ۔ جو ان دونوں کے لیے چائے لایا تھا۔"

"اوکے سر۔"

جلد ہی اکرام ایک بیرے کو لے آیا، اس کی ٹانگیں تھر تھر کانپ رہی تھیں۔

"تو زہر چائے میں تم نے ملایا تھا؟"

"میرے تو باپ دادا نے کبھی ایسا کام نہیں کیا سرکار۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔

اور انھیں ہنسی آ گئی۔ انسپکٹر جمشید پھر حوالات کے نگران کی طرف مُڑے:

"چائے منگوانے کے لیے انھوں نے رشوت کیا پیش کی تھی؟"

"جی رشوت۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"محمود! ان کی تلاشی لو۔"

"یہ۔ یہ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" نگران نے تھر تھر کانپتے ہوئے کہا۔

"افسوس! آج میرا یہ خیال غلط ثابت ہو گیا کہ کم از کم

میرے دفتر میں کوئی رشوت نہیں لیتا۔"

محمود نے آگے بڑھ کر اس کی جیبوں کی تلاشی شروع کر دی۔ جلد ہی اس کے ہاتھ میں سونے کا بالکل ویسا ہی کلپ نظر آیا۔ جو انھیں ماجد کی مٹھی میں نظر آیا تھا۔

ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں؛

"اب کیا کہتے ہو دوست؟" انسپکٹر جمشید طنزیہ لہجے میں بولے۔

اب وہ کیا کہتا۔ اس پر تو سکتہ طاری ہو گیا تھا۔

"صرف چائے کے دو کپ پیش کرنے کے لیے تم نے سونے کا یہ کلپ اس سے حاصل کیا۔ اور ان دونوں کی چائے میں زہر ملانے کے لیے کتنے پیسے حاصل کیے؟"

"نہیں۔ یہ بات تو واقعی نہیں ہے۔ ہاں چائے منگوانے کے لیے یہ کلپ ضرور لیا تھا۔ وہ بھی اس نے خود پیش کش کی تھی۔"

"اس نے خود پیش کش کی تھی اور تم نے پیش کش منظور کر لی تھی۔ فاروق۔ فرزانہ۔ اس کی میز وغیرہ کی تلاشی لو۔ اِدھر اُدھر بھی چیک کرو۔ رقم ابھی یہیں ہونی چاہیے۔"

وہ حرکت میں آ گئے۔ اور پھر انھوں نے نوٹوں کا [illegible] سے برآمد کیا۔ پیکٹ

ہزار ہزار روپے کے نوٹوں والا تھا۔

"اب کیا کہتے ہو دوست۔ یہ رقم یہاں کہاں سے آ گئی؟" انھوں نے کہا۔

اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"جلدی تفصیل سنا دو۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔"

"ایک صاحب آئے تھے۔ انھوں نے یہ رقم مجھے دی تھی اور زہر کی ایک پڑیا بھی۔ اور کہا تھا کہ یہ زہر میں ان دو قیدیوں کی چائے میں ملا دوں۔ میں لالچ میں آ گیا۔" اس نے کہا اور رونے لگا۔

"اب رونے کا کیا فائدہ۔ یہ کام کرنے سے پہلے رونا چاہیے تھا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اس آدمی کا حلیہ کیا تھا؟"

"لمبے قد کا چوڑا چکلا آدمی تھا۔ زیادہ غور سے تو میں نہیں دیکھ سکا تھا۔"

"لمبا قد، چوڑا چکلا جسم۔ کوئی اور بات یاد کرنے کی کوشش کرو تاکہ ہمیں مدد مل سکے۔"

وہ سوچ میں ڈوب گیا، آخر بولا:

"ہاں! یاد آیا۔ اس کی ناک کی نوک پر ایک سرخ رنگ کا تل تھا۔"

"کیا تم پُورے یقین سے کہتے ہو؟" انسپکٹر جمشید بولے

"جی ہاں بالکل!"

اس کے بارے میں ہدایات دے کر وہ دفتر سے نکل آئے:

"اکرام! اس حلیے کا آدمی ذہن میں ہے؟"

"نہیں سر۔ ریکارڈ چیک کرنا ہوگا۔"

"اچھا تو تم ریکارڈ چیک کرو، اگر کوئی بات معلوم ہو تو مجھے اطلاع دینا۔ ہم لوگ جاسا اینڈ کو تک جا رہے ہیں۔"

"او کے سر۔"

وہ خان رحمان کی کار میں جاسا اینڈ کو کے دفتر پہنچے۔ تعارف کرایا گیا تو مینجر کے چہرے پر حیرت دوڑ گئی:

"خیر تو ہے جناب؟" اس نے کہا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے جیسے اس کا سوال سُنا ہی نہیں۔

"میں ہارڈی ہوں۔"

"مسٹر ہارڈی۔ آپ اس فرم میں کب سے ملازم ہیں؟"

"بیس سال سے۔" اس نے کہا۔

"بیس سال کافی عرصہ ہے۔ آپ کو یاد ہو گا، آپ کی

 ہی تعمیر کی تھی؟"

"آپ وزیرِ خارجہ صاحب کی بات کر رہے ہیں۔"

"ہاں! لیکن اس وقت وہ سیکرٹری وزیرِ خارجہ تھے۔"

"جی ہاں! میں جانتا ہوں۔ ان کی کوٹھی ہماری فرم نے ہی تعمیر کی تھی۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔ تو پھر؟" اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"یہ تو پھر ذرا ٹیڑھا مسئلہ ہے۔" فاروق بول اُٹھا۔

انسپکٹر جمشید نے اس پر ایک تیز نظر ڈالی اور بولے:

"جن کاری گروں نے کوٹھی تعمیر کی تھی۔ مجھے ان کی مکمل تفصیل چاہیے۔"

"بات کیا ہے جناب؟"

"بات آپ کو نہیں بتائی جا سکتی۔ ہم معلومات حاصل کرنے آئے ہیں نہ کہ دینے۔"

"اوہ اچھا، لیکن اس کے لیے تو ریکارڈ نکلوانا پڑے گا اور اس میں وقت لگے گا۔ آپ تشریف لے جائیں، ریکارڈ نکلوا کر آپ کو بھیج دوں گا۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"نہیں جناب ۔ یہ نہیں ہوگا۔"

"جی ۔ کیا مطلب ۔ کیا نہیں ہوگا؟"

"ہم یہیں بیٹھیں گے۔"

"آپ کو بہت دیر تک بیٹھنا پڑے گا۔"

"پروا نہ کریں ۔ ہم اس کام کے عادی ہیں۔"

"اچھی بات ہے ۔ میں ابھی اس کام پر آدمی لگاتا ہوں۔"

"شکریہ!" وہ بولے۔

اس نے گھنٹی بجائی ، کلرک نما ایک آدمی اندر داخل ہوا:

"ہماری فرم نے شیخ خالد ابرار کی کوٹھی تعمیر کی تھی ۔ اس کا مکمل ریکارڈ چاہیے۔"

"جی بہتر!" یہ کہ کر وہ جانے لگا ۔

"ایک منٹ ۔ اس کام میں کتنا وقت لگ جائے گا؟"

"قریباً ایک گھنٹا۔"

"کیوں جناب! آپ ایک گھنٹا انتظار کر سکیں گے؟"

"ہاں! کیوں نہیں۔"

"ٹھیک ہے ۔ ریکارڈ نکال لاؤ۔" اس نے کلرک سے کہا۔

"ایک منٹ ۔ میرے یہ دو بچے بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔" انھوں نے محمود اور فاروق کی طرف اشارہ کیا، وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"اس کی کیا ضرورت ہے۔" ہارڈی نے الجھن کے عالم میں کہا ۔

"ہم دراصل کچھ زیادہ ہی احتیاط سے کام لینے کے عادی ہیں۔"

"پتا نہیں کیا چکر ہے ۔ خیر ۔ آپ بھی جائیں جناب۔" اس نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

وہ چلے گئے ۔ انسپکٹر جمشید وغیرہ وہیں بیٹھے رہے:

"آخر آپ بتا کیوں نہیں دیتے کہ کیا معاملہ ہے؟"

"آپ کو بھی اس وقت تک انتظار کرنا پڑے گا، جب تک کہ ہمیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ!" اس نے منہ بنایا۔

"اس کمپنی کے مالک کون ہیں؟"

"مسٹر مارش ۔ یہاں نہیں رہتے ۔ سال میں ایک دو چکر لگا لیتے ہیں۔"

"ہوں! ان کا پتا؟"

"میں ان کا کارڈ دے دیتا ہوں آپ کو۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔" وہ خوش ہو کر بولے۔

اس نے میز کی دراز میں سے کارڈ نکال کر دے دیا ۔ انھوں نے دیکھا ۔ کارڈ پر انشارجہ کا پتا درج تھا ۔ گویا یہ پوری فرم غیر ملکی تھی ۔

آدھ گھنٹے بعد محمود اور فاروق کلرک کے ساتھ واپس آئے:

"یہ رہیں تمام تر معلومات ۔ اس کوٹھی کی تعمیر کے سلسلے میں۔" کلرک نے پوری ایک فائل ان کے سامنے رکھ دی۔

انسپکٹر جمشید نے وہیں فائل کا مطالعہ شروع کر دیا ــــ پھر بولے :

" میں ان تمام کاری گروں اور مزدوروں سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں "

" یہ کیسے ہو سکتا ہے جناب "

" کیوں ! ہو کیوں نہیں سکتا " انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

" کافی عرصہ پہلے کوٹھی بنائی گئی تھی ــ نہ جانے کتنے مزدور اور کاری گر ملازمت چھوڑ کر جا چکے ہوں گے۔ اور ان کی جگہ دوسرے رکھے جا چکے ہوں گے "

" جتنے مزدور اور کاری گر ملازمت میں موجود ہیں ، ان سے تو ملاقات کرائی جا سکتی ہے "

" ان سے بھی فوری طور پر ملاقات ممکن نہیں "

" وہ کیوں ؟ "

" اس لیے کہ شہر میں ، ہماری فرم اس وقت کئی عمارات بنوا رہی ہے ، کوئی کہیں کام کر رہا ہو گا ، کوئی کہیں "

" شکریہ ! آپ اپنے تمام ملازمین کا ریکارڈ پیش کریں " انھوں نے کہا ــــ

" کیا مطلب [illegible] کیا تمام [illegible] پر مجبور ہوں ؟ "

" [illegible] پر عمل کرنا ہو گا ــ

ورنہ آپ کی فرم بند کرا دی جائے گی " انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا ــ

" میں آپ کو فائل دے رہا ہوں جناب ــ لیکن آپ یہ بھی سُن لیں ــ کہ میں مسٹر مارش سے آج ہی فون پر بات کروں گا اور انھیں ساری صورتِ حال بتاؤں گا "

" یہ آپ کا فرض ہے ــ آپ کو ضرور بتانا چاہیے " انھوں نے مسکرا کر کہا ــ

اس نے جلے کٹے انداز میں ایک موٹا سا رجسٹر ان کے سامنے رکھ دیا ــ

" مجھے وہ رجسٹر بھی چاہیے ، جو یہ بتائے کہ آج کون سا ملازم کس جگہ مصروف ہے "

" اسی رجسٹر سے یہ بات بھی معلوم ہو جائے گی "

" بہت خوب ــ میں یہ رجسٹر اور فائل لے جا رہا ہوں "

" آپ ان کی رسید دے دیں "

" ہاں ! ضرور کیوں نہیں "

انھوں نے رسید لکھ دی اور دونوں چیزیں لے کر جانے کے لیے مُڑے :

" آپ نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ معاملہ کیا ہے "

" معاملہ ــ اوہ ہاں ــ یہ تو میں بھول ہی گیا ــ خیر سُن لیں ،

شیخ خالد ابرار صاحب کی کوٹھی کی تعمیر کے سلسلے میں آپ کی فرم نے
یا آپ کی فرم کے کاری گروں نے کچھ ہیرا پھیری کی ہے۔"
"نہیں جناب! یہ غلط ہے، ہماری فرم بہت مشہور ہے،
آج تک اس سے کسی کو کوئی شکایت نہیں ہوئی۔"
"تو پھر سمجھ لیں۔ آج شکایت ہو گئی۔" وہ مسکرائے۔
"بہت جلد آپ کی غلط فہمی دُور ہو جائے گی۔"
"اگر ایسا ہوا تو میں آپ کو مبارک باد دوں گا۔" وہ مسکرائے۔
"شکریہ جناب۔" اس نے جل کر کہا۔
دونوں چیزیں لے کر وہ گھر آئے۔ یہاں بیگم جمشید کا پارہ
بہت چڑھا ہوا تھا:
"خیر تو ہے بیگم؟" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔
"تین بار کھانا گرم کر چکی ہوں۔"
"اب آپ کو بڑے سائز کے ہاٹ پاٹ لا کر دینا ہی
پڑیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آہ بھری۔
"ان سے بھی کام نہیں چلے گا۔" انھوں نے تلملا کر کہا۔
"وُہ کیوں؟"
"میں کھانا اپنے غصّے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے گرم کرتی ہوں۔"
"اوہ! گویا جتنی مرتبہ غصّہ آتا ہے، اتنی ہی مرتبہ تم کھانا

"کیا کیا جائے، مجبوری ہے۔"
"خیر۔ لے آؤ کھانا۔ ہمارے ساتھ پروفیسر صاحب بھی
ہیں اور ان کی بھوک یقیناً چمک اٹھی ہو گی۔"
"واہ! کیا بات کہی جمشید۔" پروفیسر داؤد خوش ہو کر بولے۔
کھانے سے فارغ ہو کر ابھی انھوں نے فائل اور رجسٹر
کھولے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ انھوں نے فوراً ریسیور اٹھایا،
دُوسری طرف کی آواز سُنتے ہی وُہ زور سے چونکے۔

انگوٹھی

"السلامُ علیکم جمشید۔ بھئی یہ جاسا اینڈ کو کا کیا معاملہ ہے؟"
دوسری طرف آئی جی شیخ نثار احمد تھے۔

"کیوں سر۔ خیر تو ہے؟" انسپکٹر جمشید حیرت زدہ انداز میں بولے۔

"پہلے تم بتاؤ نا۔ کیا معاملہ ہے؟"

"شیخ خالد ابرار صاحب نے کچھ سال پہلے اس کمپنی سے اپنے لیے کوٹھی تعمیر کرائی تھی، اس کی تعمیر کے دوران کچھ خوف ناک قسم کی گڑبڑ کی گئی تھی۔"

"کیا مطلب؟" آئی جی چونکے۔

انھوں نے کوٹھی کے نیچے بنائے جانے والے تہ خانے اور سُرنگ کی تفصیل سُنا دی:

"یہ خبر میرے لیے بہت حیران کُن ہے۔ اس خبر کی [illegible] پھر تمھیں فون کروں

گا۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا اور سلسلہ کاٹ دیا۔

"آئی جی صاحب کا فون تھا۔ جاسا اینڈ کو کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے تھے۔"

"اوہ! تو یہ لوگ اُوپر پہنچ گئے۔"

"اتنے بڑے کام بغیر کسی مضبوط سہارے کے تو نہیں کیے جا سکتے۔"

"لیکن اباجان! معاملہ بھی تو وزیرِ خارجہ صاحب کا ہے۔ کیا جاسا اینڈ کو کو معاف کیا جا سکتا ہے۔"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں! میں جو بات کہہ سکتا ہوں۔ وہ تم بے شک مجھ سے پوچھ لو۔" وہ مسکرائے۔

"چلیے پھر وہی بتا دیں۔" محمود مسکرایا۔

"میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اب میں شہر میں بلکہ پورے مُلک میں جاسا اینڈ کو کا کہیں نام و نشان نہیں رہنے دوں گا۔"

"جی کیا مطلب؟"

"بس مجھ سے اس بات کا مطلب نہ پوچھو۔"

"چلیے نہیں پوچھتے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"اس میں اس قدر خوش ہونے کی کیا بات ہے؟" فرزانہ نے اسے گھورا۔

" میں سمجھ گیا۔ ابا جان کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

اچانک فون کی گھنٹی بجی، انھوں نے چونک کر ریسیور اٹھایا
دوسری طرف سے آئی۔جی صاحب کی آواز سنائی دی:

" ہاں جمشید۔ تم اپنی جگہ پر بالکل سچے ہو، لیکن جاسا اینڈ کو
کی پشت پر کچھ بہت طاقت ور لوگ موجود ہیں۔ اس لیے
اس کے خلاف کارروائی روک دو۔ شیخ صاحب کی کوٹھی کو
سازش کے جال سے پاک کر دو اور بس۔ آئندہ وہاں ہونے
والی گفت گو کوئی نہ سن سکے۔ ہم بس اتنا چاہتے ہیں۔"

" لیکن سر۔ اس وقت تک ہمارے ملک کے کتنے راز
ان کی اس گڑ بڑ کی وجہ سے ادھر سے ادھر ہو چکے ہیں۔
یہ بھی تو سوچیے۔"

" طاقت ور لوگ۔ جو جاسا اینڈ کو کی پشت پر ہیں،
معافی مانگ رہے ہیں اور ہماری حکومت سے یہ وعدہ کر
رہے ہیں کہ آئندہ اس قسم کی کوئی بات نہیں ہو گی۔
کیا یہ بات کم ہے؟"

" میرے نزدیک تو یہ بات ہی نہیں۔ اس لیے کہ جرم
ہو چکا ہے۔ اور ہم ان لوگوں کے لیے عام معافی کا اعلان کر
رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

[illegible]، لیکن میں کیا کروں،

میری اپنی مجبوریاں ہیں، ایک حکم جب اوپر سے ملتا ہے، تو
اس پر عمل کرنا پڑتا ہے، نہ کریں تو ملازمت سے باہر۔"

" تو آپ ملازمت کی پروا کیوں کرتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید
نے کہا۔

" اس سے بھی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا جمشید۔ فرض
کر لو، میں ملازمت کی پروا نہیں کرتا اور استعفیٰ دے
دیتا ہوں۔ وہ میری جگہ ایسا آدمی لے آئیں گے، جو فوراً
ان کے حکم کی تعمیل کرے گا۔ اس طرح ملک اور قوم کو کیا فائدہ
پہنچے گا بھلا۔ ہمارا کام تو یہ سوچنا ہے۔"

" آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اب آپ میری چند باتیں سن لیں۔"

" ضرور۔ کیوں نہیں جمشید۔" انھوں نے اطمینان کا سانس لے کر
کہا۔

" یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ شیخ خالد ابرار کی کوٹھی کے
نیچے تہ خانہ اور سرنگ جاسا اینڈ کو نے بنوائی تھی، لیکن صاف
ظاہر ہے، ایسا انھوں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا۔ آپ
مجھے ان سے اتنا پوچھنے کا حق تو دیں کہ ایسا کرنے کے لیے
انھیں کس نے کہا تھا۔"

" اوہ ہاں! یہ بہت ضروری بات ہے جمشید۔ میرا خیال
ہے، یہ پوچھنا ہمارا قومی اور ملکی حق ہے اور ہم ان سے یہ

سوال ضرور کریں گے، لیکن میں تمھارے ساتھ چلوں گا۔"

"ضرور چلیے سر۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"پہلے میں فون پر مسٹر ہارڈی سے بات کر لوں۔" یہ کہ کر انھوں نے سلسلہ کاٹ دیا۔

تین منٹ بعد پھر فون کی گھنٹی بجی۔ آئی جی صاحب نے انھیں بتایا:

"ہم ابھی اور اسی وقت وہاں جا رہے ہیں جمشید! آپ لوگ فوراً میرے پاس پہنچ جائیں۔"

"کیا آپ نے انھیں بتا دیا سر کہ ہمیں ان سے کیا پوچھنا ہے؟"

"نہیں!" وہ بولے۔

"بہت خوب۔" انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

وہ جاسا اینڈ کو پہنچے۔ ہارڈی نے پُرجوش انداز میں ان کا استقبال کیا:

"ہمارے ایسے نصیب کہاں سر۔ کہ آپ لوگ تشریف لائیں۔"

"چلیے۔ اب تو آ گئے۔" فاروق مسکرایا۔

"ج۔ جی کیا مطلب؟"

 کرنا چاہتے ہیں، اُمید

ہے، آپ محسوس نہیں کریں گے۔"

"اگر میں نے کوئی حرج محسوس نہ کیا تو فوراً جواب دے دوں گا۔"

"یہ بات تو آپ لوگ مان چکے ہیں کہ شیخ خالد ابرار کی کوٹھی کے نیچے تہ خانہ اور سرنگ آپ کی فرم نے ہی بنوائے تھے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔

"بس! صرف اتنا بتا دیں کہ یہ کام آپ سے کس نے لیا تھا؟"

"دیکھیے جناب! یہ بتانا بہت مشکل ہے۔" مسٹر ہارڈی نے گھبرا کر کہا۔

"مشکل ہے تو کیا ہوا۔ ناممکن تو نہیں ہے۔ یہ تو آپ بتا ہی دیں۔"

"اچھا میں ریکارڈ چیک کراتا ہوں۔" آخر اس نے ہار مان کر کہا۔

"شکریہ!" انسپکٹر جمشید بولے اور وہ کمرے سے نکل گیا۔

پندرہ منٹ بعد وہ واپس آیا:

"مجھے افسوس ہے جناب۔ یہ بات ہماری فرم کو بھی نہیں معلوم کہ یہ کام کس نے کرایا تھا۔"

"کیا مطلب ۔ یہ کیا بات ہوئی ۔"

"ہماری فرم پیسہ کمانے پر یقین رکھتی ہے ۔ جہاں معاملہ کمائی کا آئے گا ۔ وہاں فرم سے چاہے کوئی شرط بھی منوائی جا سکتی ہے ۔ جب شیخ صاحب کی کوٹھی کی تعمیر شروع ہوئی تو کسی نامعلوم آدمی نے ایک بہت بڑی پیش کش کے ذریعے یہ کام کروایا تھا ۔ رقم بھی اس نے خفیہ طور پر ادا کی تھی ۔ یعنی بنک ڈرافٹ کے ذریعے ۔ کام کی تفصیلات بھی اس نے فون پر بتائی تھیں ۔"

"ہوں ! اس طرح آپ کا کام آسان ہو گیا اور ہمارا مشکل ۔"

"جی ۔ کیا مطلب ؟"

"آپ اس ڈرافٹ کی تفصیل بتا دیں ، کس بنک کا تھا ، کتنے کا تھا ، کس تاریخ کا بنوایا ہوا تھا ؟"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ یہ معلوم کریں گے ، خیر میں ڈرافٹ کی تفصیل نکلوا دیتا ہوں ۔"

"شکریہ جناب ۔"

ڈرافٹ کے بارے میں معلومات لے کر وہ اس بنک پہنچے ۔ مینجر سے ملاقات کی گئی ۔ تفصیلات اس کے سامنے رکھی گئیں ۔ اس نے ریکارڈ نکلوایا ۔ اور آخر [illegible]

[illegible] ڈرافٹ ہمارے [illegible]

سے بنوایا گیا تھا ۔ بنوانے والے نے اپنے دستخط یہ کیے ہیں ۔ آپ دیکھ لیں ۔ اس نے نقد رقم ادا کر کے ڈرافٹ بنوایا تھا ۔ اس شخص کا اکاؤنٹ ہمارے بنک میں نہیں تھا ۔"

"اوہ ! اس کا مطلب ہے ۔ ہم اس آدمی کا سراغ نہیں لگا سکتے ۔"

"جی ۔ بھلا میں کیا کر سکتا ہوں ۔ جو بتا سکتا تھا ، وہ بتا دیا ۔"

"اور چونکہ معاملہ کئی سال پہلے کا ہے ۔ اس لیے بنک کا آدمی اس کا حلیہ بھی نہیں بتا سکتا ۔"

"میں اسے یہیں بلا لیتا ہوں ۔ شاید اس کی یادداشت کام دکھا دے ۔ اگرچہ یہ بہت مشکل ہے ، کیونکہ وہ تو روزانہ نہ جانے کتنے آدمیوں کے ڈرافٹ بناتا ہے ۔"

"خیر ۔ اسے بلا تو لیں ۔"

جلد ہی ان کے سامنے ایک پتلا دبلا اور چھوٹے سے قد کا آدمی بیٹھا تھا ، لیکن وہ اس کی آمد سے پہلے ہی مایوسی محسوس کر چکے تھے اور یہی خیال تھا کہ اس سے کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکے گا ۔

"ہم آپ سے ایک ایسی بات معلوم کرنا چاہتے ہیں جو کہ نہیں کرنا چاہیے ۔" انسپکٹر جمشید شرمندہ لہجے میں بولے ۔

"یہ کیا بات ہوئی جناب — آپ بلا تکلف پوچھیے — جو بات میرے علم میں ہوئی — ضرور بتاؤں گا۔"

"بات علم کی نہیں — یادداشت کی ہے۔"

"اسے آپ اتفاق کہ لیں، میری یادداشت بہت تیز ہے۔" وہ مسکرایا —

"اوہو اچھا — تو کیا آپ کو سالوں پہلے کی بات بھی یاد رہتی ہے؟"

"ہاں! لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کوئی خاص بات ہو — ہر عام بات یاد نہیں رہتی۔"

"خیر، ہم وضاحت کر دیتے ہیں — آپ کے ذریعے ایک ڈرافٹ بنوایا گیا تھا — ایک کروڑ روپے کا — نقد رقم ادا کر کے — اس کی تاریخ وغیرہ آپ خود دیکھ لیں۔"

اس کے چہرے پر اچانک جوش طاری ہو گیا — تاریخ وغیرہ پر نظر ڈالے بغیر اس نے فوراً کہا:

"میں نے اپنی پوری ملازمت میں ایک کروڑ روپے کا بس وہی ایک ڈرافٹ بنایا تھا اور اس میں عجیب ترین بات یہ تھی کہ بنوانے والا نقد رقم لے کر آیا تھا — حالانکہ اتنی بڑی رقم چیک کے ذریعے ادا کی جاتی ہے — اس لیے وہ شخص [illegible] اور اس سے بڑھ کر

یہ کہ وہ اپنی ایک چیز بھول گیا تھا — جو آج تک میں نے امانت کے طور پر اپنے پاس رکھی ہوئی ہے — اس انتظار میں کہ شاید وہ کبھی آ کر مانگ لے۔"

"اوہ — اوہ — آپ تو بہت کام کے آدمی ثابت ہوئے، مہربانی فرما کر فوراً اس کا حلیہ بتائیں — محمود — حلیہ نوٹ کر لو۔"

"وہ لمبے قد کا آدمی تھا، جسم اس کا چوڑا چکلا تھا — اور خاص بات یہ کہ اس کی ناک کی نوک پر ایک سرخ تل تھا۔"

"کیا!!!"

وہ ایک ساتھ اُچھلے —

☻

چند لمحے تک ان پر سکتے کی حالت طاری رہی، کیونکہ اس نے جو حلیہ بتایا تھا، وہی حلیہ اس شخص کا تھا جو حوالات میں زہر دینے کے لیے آیا تھا — ماجد اور لوگو کو اس نے موت کے گھاٹ اتارا تھا —

"ہمارے لیے یہ ایک حد درجے قیمتی اطلاع ہے —

،ہم آپ کے بے حد شکر گزار ہیں — اب آپ وہ چیز بھی دکھا دیں۔"

"میں ابھی لے کر آتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ جانے لگا، ایسے میں فرزانہ بول اٹھی:

"ہو سکتا ہے — وہ کوئی بہت اہم چیز ہو — اس لیے — انہیں اکیلے بھیجنا ٹھیک نہیں ہوگا۔"

"اوہ ہاں! محمود، فاروق تم ان کے ساتھ جاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن جناب — وہ چیز تو بنک میں ہی موجود ہے۔"

"پھر بھی آپ انہیں ساتھ لے جائیں۔"

"ٹھیک ہے — آیئے بھئی۔"

دونوں اس کے ساتھ چلے گئے — یہ بے چینی سے انتظار کرنے لگے، آخر تینوں واپس آتے بنک ملازم نے کاغذ میں لپٹی کوئی چیز ان کی طرف بڑھا دی اور بولا:

"آپ اسے دیکھ لیں، امانت کے طور پر رکھ بھی سکتے ہیں، لیکن اگر وہ شخص میرے پاس آیا تو آپ کو یہ چیز واپس کرنا ہوگی، کیونکہ میں کسی کی امانت میں خیانت نہیں کر سکتا۔"

"بالکل ٹھیک۔"

 کو نکالا — وہ ہیرے

کی ایک انگوٹھی تھی — ننھی سی اور خوب صورت سی — اس میں ایک سرخ رنگ کا ننھا سا ہیرا جگ مگ کر رہا تھا۔

"کمال ہے — اس قدر قیمتی انگوٹھی لینے بھی وہ شخص نہیں آیا۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"اس بات پر تو مجھے بھی حیرت ہے۔"

"خیر جناب! ہمیں آپ کی وجہ سے بہت مدد ملی، ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔"

"کوئی بات نہیں جناب، قانون کی مدد کرنا تو میرا فرض ہے۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے — اور وہاں سے سیدھے گھر آئے — اکرام کو بھی وہیں بلا لیا گیا، جونہی وہ پہنچا، انسپکٹر جمشید بولے:

"اکرام! حلیہ سنو — لمبا قد، چوڑا چکلا جسم، ناک کی نوک پر سرخ رنگ کا تل۔"

اکرام سوچ میں ڈوب گیا، پھر اس نے نفی میں سر ہلا دیا:

"جی نہیں — میری یادداشت کے ریکارڈ میں یہ حلیہ موجود نہیں ہے۔"

"تب پھر تحریری ریکارڈ چھان مارو اکرام — یہ بہت ضروری ہے۔"

"میں ابھی جاتا ہوں — اور اپنے خاص ماتحتوں کو ریکارڈ

پر لگاتا ہوں۔"

"شکریہ ۔ دُوسرا کام یہ کرو کہ اہم ترین آدمیوں کو شہر میں پھیلا دو ۔ جہاں بھی کوئی سُرخ تل والا نظر آئے ، اس کی نگرانی شروع کر دی جائے اور ہمیں فوراً اطلاع دی جائے، نگرانی اور تعاقب کے سوا اور کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔"

"او کے سر۔" اکرام یہ کہہ کر چلا گیا۔

"اب تم تینوں بھی حرکت میں آ جاؤ اور ہم تینوں بھی۔" اِنسپکٹر جمشید بولے :

"جی ۔ کیا مطلب؟"

"ایک گاڑی لے کر تم نکل جاؤ ۔ دُوسری میں ہم ۔ جب تک ہم سُرخ تل والے کو تلاش نہیں کر لیتے ، اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں کر سکیں گے۔"

"تجویز بہت خوب ہے۔" محمود نے پُرجوش انداز میں کہا۔

اُسی وقت وُہ دو گاڑیوں میں روانہ ہو گئے ۔

"کیا ہم اس طرح سُرخ تل والے کو تلاش کر لیں گے؟" فارُوق کے لہجے میں اُلجھن تھی ۔

"کچھ کہہ نہیں سکتے۔" فرزانہ بڑبڑائی ۔

"بھئی ذرا غور کرو ۔ اتنا بڑا شہر ہے ۔ لاکھوں آدمی ہیں ۔۔ ... کو دیکھتے پھریں گے۔"

"تب پھر ۔ اگر تمہارے ذہن میں کوئی ترکیب ہے تو وُہ بتا دو۔" فرزانہ نے اسے گھورا ۔

"یہی تو مشکل ہے ۔ ادھر ترکیبوں کا ناغہ ہے ۔ تمہارے دماغ کو کیا ہوا؟"

"میں پہلے ہی کافی دیر سے کوئی ترکیب سوچنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"تو پھر ۔ جلدی سے سوچ ڈالو ۔ ورنہ سارے شہر کی خاک تو کہیں گئی نہیں۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

دونوں مسکرا دیئے ، اُسی وقت فرزانہ اُچھلی :

"وُہ مارا ۔ ایک عدد ترکیب سمجھ میں آ گئی۔"

اہم اعلان

"خان رحمان! ہمیں کس طرف چلنا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے ان سے جدا ہونے کے بعد کہا۔

"بھئی! یہ تم بتاؤ۔ سراغ رساں تم ہو کہ میں یا پروفیسر صاحب۔" خان رحمان بولے۔

"اب ہم ایک ہی رنگ میں رنگ گئے ہیں۔ نہ پروفیسر صاحب اس وقت ایک سائنس دان ہیں اور نہ تم ایک ریٹائرڈ فوجی۔ بلکہ سراغ رساں بن گئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بلکہ جمشید! میں تو محسوس کرنے لگا ہوں۔ کبھی سائنس دان تھا ہی نہیں۔" پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

دونوں ان کی بات پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

"تب پھر پروفیسر صاحب آپ بتائیں۔ اس سرخ تل والے کی تلاش میں ہمیں کہاں جانا چاہیے۔"

 ... چاہیے کہ اس کیس

سے متعلق ہر شخص سے یہ سوال پوچھنا چاہیے کہ کیا وہ کسی سرخ تل والے کو جانتے ہیں۔"

"ترکیب بری نہیں، یہ کر لینا چاہیے۔" خان رحمان نے ان کی تائید کی۔

"ہاں! میں بھی یہی کہتا ہوں۔"

انسپکٹر جمشید بولے اور پھر کار نے رفتار پکڑ لی، سب سے پہلے وہ وزیرِ خارجہ شیخ خالد ابرار کے پاس پہنچے۔ وہ انہیں دیکھ کر فکرمندانہ انداز میں مسکرائے:

"مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ آپ لوگوں کی تفتیش کے راستے میں روڑے اٹکائے جا رہے ہیں۔"

"آپ ان روڑوں کی پروا نہ کریں، ایسے روڑے ہٹانے کے ہم لوگ بہت ماہر ہیں۔ آپ ہمیں یہ بتائیں، کیا کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جس کی ناک کی نوک پر سرخ تل ہو؟" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"سرخ تل!" ان کے منہ سے قدرے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"جی ہاں! سرخ تل۔"

"مجھے ایسا یاد پڑتا ہے۔ کہ میں نے ایسے کسی شخص کو دیکھا ضرور ہے۔ کہاں دیکھا ہے، یہ بالکل یاد نہیں آ رہا۔"

"اوہ! مہربانی فرما کر یاد کرنے کی کوشش کریں، کیونکہ اس شخص کا آپ کے معاملے سے بہت زبردست تعلق ہے۔ اگر ہم اس آدمی کو تلاش کر لیتے ہیں تو اس بات کی زبردست امید کی جا سکتی ہے کہ اصل مجرم تک پہنچ جائیں۔"

"ہوں! فکر نہ کریں۔ میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔"

"شکریہ جناب! جونہی آپ کو یاد آئے، آپ فون کر دیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

"دوسری بات۔ آپ اپنے گھر کے ہر فرد سے بھی یہ سوال کریں۔ شاید انھیں یاد آ جائے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ایسا بھی کروں گا۔"

اب وہ جاسا اینڈ کو کے دفتر پہنچے، ایک بار پھر ہارڈی سے ملاقات کی۔ انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا:

"کیا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جس کی ناک کی نوک پر سرخ تل ہو؟"

"ناک کی نوک پر سرخ تل۔" وہ بڑبڑایا۔

"جی ہاں۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"اس حلیے کا آدمی کہیں دیکھا ضرور ہے۔ کہاں دیکھا ہے۔۔۔

"تو پھر ذہن پر زور ڈالیے۔ یاد آ جائے تو ہمیں بتا دیں، یہ بہت اہم کام ہے۔"

"میں کوشش کروں گا۔" اس نے کہا۔

وہ وہاں سے بھی نکل آئے۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید بولے:

"ہم ایک آدمی کو بھول رہے ہیں۔" یہ کہتے وقت انسپکٹر جمشید مسکرائے بھی۔

"اسے بھی بھولنے کی کیا ضرورت ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

انسپکٹر جمشید اس پولیس اسٹیشن پہنچے جس کی حوالات میں ماجد اور یوگو کو رکھا گیا تھا اور پھر حوالات میں ان دونوں کو زہر دے دیا گیا تھا۔ پولیس اسٹیشن کا عملہ پریشان ہو گیا۔ انچارج دوڑا آیا:

"اس نگران کو بلائیں۔ جس نے ان دونوں کو چائے دی تھی۔"

"ج۔ جی بہتر۔"

جلد ہی وہ نگران ان کے سامنے موجود تھا:

"تم نے اس شخص کا کیا حلیہ بتایا تھا۔ جو زہر دے گیا تھا۔"

"لمبا چوڑا آدمی تھا اور اس کی ناک کی نوک پر سرخ تل موجود تھا۔"

"کیا تم نے اسے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا؟"

"ج۔جی کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اس واقعے سے پہلے کبھی اسے نہیں دیکھا تھا؟"

"نہیں جناب۔ کبھی نہیں۔"

"لیکن۔ میرا خیال ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم اس قدر جلد اس سے یہ سودا نہیں کر سکتے تھے۔ ضرور تم اسے پہلے سے جانتے تھے۔"

نہیں جناب! ایسی کوئی بات نہیں۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"اچھی بات ہے۔ میرے ساتھ چلو۔"

"ج۔جی کہاں؟"

"میرے دفتر۔ میں تم سے وہاں پوچھ گچھ کروں گا۔"

"م۔میں سچ کہتا ہوں۔ مجھے اس کے بارے میں پہلے سے کچھ معلوم نہیں۔"

"تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔" انھوں نے غرا کر کہا۔ وہ سہم گیا۔

وہ اسے لے کر دفتر آئے۔ محمد حسین آزاد کو اس کے بارے

بیس منٹ بعد وہ

اسے واپس لے آیا۔ اس کا پورا جسم پسینے میں ڈوبا ہوا تھا:

"نہیں سر۔ یہ جھوٹ نہیں بول رہا۔ اسے واقعی سرخ تل والے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اس کے انچارج کو فون کر دو۔ آکر اسے لے جائے۔" یہ کہ کر وہ پھر کار میں نکل کھڑے ہوئے:

"اب کیا کریں۔ سرخ تل والے کا سراغ ابھی تک نہیں لگا سکے؟"

"ہم اس انگوٹھی کو بھول رہے ہیں جمشید، یہ انگوٹھی عام نہیں ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اوہ ہاں۔ واقعی۔ شاید آج میرا دماغ سو رہا ہے۔"

"کوئی بات نہیں جمشید۔ اس بے چارے کو آرام کر ہی لینے دو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں، جب تک یہ سویا رہے گا۔ میں اور پروفیسر صاحب اپنے اپنے دماغ کو جگائے رکھیں گے۔"

"شکریہ خان رحمان! مجھے تم سے یہی امید ہے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

اب ان کا رخ صرافہ بازار کی طرف ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے ایک ایک جوہری کو وہ انگوٹھی دکھانا شروع کی، آخر ایک بڑے جوہری نے فوراً کہا:

"جی ہاں! یہ انگوٹھی میری دکان سے خریدی گئی تھی۔"

"اور کیا آپ خریدار کا نام بتا سکتے ہیں؟"
"امید تو ہے۔" اس نے کہا۔
"تو پھر یہ مہربانی ضرور کریں۔"
"اس میں کچھ دیر لگ جائے گی۔ آپ فون کر کے پوچھ لیجیے گا۔"
"نہیں جناب! یہ معاملہ بہت بڑا اور اہم ہے۔ ہم ابھی اور اسی وقت معلوم کر کے یہاں سے جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"بہت بہتر جناب۔ میں ابھی ریکارڈ نکلواتا ہوں۔"
تھوڑی دیر بعد اس نے انھیں ایک بہت حیرت انگیز بات بتائی:
"یہ انگوٹھی ہم سے شیخ خالد ابرار صاحب نے خریدی تھی۔"
"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"چلو شکر ہے۔ کوئی ترکیب آ تو گئی دماغ میں۔ اب جلدی سے بتا دو۔ کہیں نکل نہ جائے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میرا دماغ اتنا کمزور نہیں کہ آئی ہوئی ترکیب نکل جائے۔ سنو۔ اس سرخ تل والے کا تعلق بہرحال اس کیس کے اصل مجرم سے ضرور ہے۔ اور وہ اس سے رابطہ بھی رکھے ہوئے ہوگا۔ لہٰذا ہم ان تمام لوگوں کے فون چیک کرا سکتے ہیں۔"
"دماغ تو نہیں چل گیا۔" فاروق نے بھنا کر کہا۔
"کیوں۔ کیا بات ہے؟" فرزانہ تلملا کر بولی۔
"ہم کن لوگوں کے فون چیک کرائیں گے۔ بھلا؟"
"ان تمام لوگوں کے جن کا اس کیس سے کسی نہ کسی طرح تعلق ہے۔"
"چلو ٹھیک ہے، لیکن ہمیں کس طرح پتا چلے گا کہ ان سے بات کرنے والوں میں سے سرخ تل والا کون سا ہے۔ کیا ہم اس کا نام جانتے ہیں؟"
"تمھارا اعتراض وزنی ہے فاروق۔" محمود نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔
"لیکن تم دونوں نے ابھی میری پوری بات نہیں سنی۔"
"خیر! تم بات پوری سناؤ۔" فاروق نے منہ بنایا۔
"بے شک! ہم اس کا نام نہیں جانتے۔ صرف حلیہ جانتے ہیں۔ لیکن تم ایک بات بھول رہے ہو۔ اور جب

تم میری وہ بات سن لو گے تو یہ مان جاؤ گے کہ میں بہت دور کی کوڑی لائی ہوں۔"

"پتا نہیں۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"پوری بات سن لو۔ تم بنک کے اس ملازم کو بھول رہے ہو۔ جس کی یادداشت بہت تیز ہے۔ کیا اسے اس آدمی کی آواز یاد نہیں رہی ہو گی۔ اور اس کی آواز کی تصدیق پولیس اسٹیشن کا نگران بھی کر سکتا ہے۔ جس نے اس سے رشوت لے کر دونوں قیدیوں کو زہر دیا۔"

"اب بات سمجھ میں آئی۔ واقعی ہم یہ تجربہ کر سکتے ہیں۔"

انھوں نے فوراً اکرام کو فون کیا، لیکن اکرام تو سرخ تل والے کی تلاش میں نکلا ہوا تھا؛ چنانچہ محمد حسین آزاد سے بات کی گئی۔ اسے ساری بات اچھی طرح سمجھائی گئی۔ احتیاطاً انھوں نے آئی جی صاحب کو بھی فون کیا، تاکہ وہ ٹیلی فون کے محکمے کے انچارج سے بات کر ڈالیں۔ انھوں نے ان سب کے نام بھی بتا دیے۔ جن کے فون چیک کیے جانے تھے۔ اس کام سے فارغ ہو کر فاروق نے کہا:

"میرا خیال ہے۔ ہم اپنے حصے کا کام کر چکے ہیں — [illegible] کام کرتے ہیں۔" فاروق

نے کہا۔

"گھر چل کر انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ملنے والی اطلاع تو امی جان بھی نوٹ کر لیں گی۔" محمود نے منہ بنایا۔

"لیکن اب ہمارے پاس کرنے کے لیے کام ہی کیا رہ گیا ہے۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"کام کبھی ختم نہیں ہوتے، انسان ختم ہو جاتا ہے — میرے ذہن میں ایک ہوٹل کا نام آ رہا ہے۔ ہم کچھ دیر اس ہوٹل میں گزاریں گے۔ میرا خیال ہے۔ وہاں سرخ تل والا ضرور آئے گا۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ کیا تم نجومی ہو۔ یا غیب کا علم جان لیتے ہو؟"

"غیب کا علم سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے کسی کو نہیں، قرآنِ کریم میں یہ بات بار بار آئی ہے۔ لہٰذا ایسی بات بھول کر بھی نہیں کہنی چاہیے۔ میں نے چند اندازوں کی بنیاد پر یہ بات کہی ہے۔ دیکھو نا۔ سرخ تل والا شخص ایک جرائم پیشہ ہے اور بہت پرانا آدمی ہے، اتنا پرانا کہ جب شیخ خالد ابرار کی کوٹھی بنائی جا رہی تھی۔ اس وقت وہ جرائم پیشہ تھا۔ ایسے پرانے اور گھاگ آدمیوں کے لیے یہاں ایک بہت پرانا اور بدنام ہوٹل موجود ہے، لیکن چونکہ پولیس والوں کو

ان کی طرف سے ہر ماہ بہت بڑا حصّہ ملتا ہے، اس لیے وُہ
قانون کی گرفت میں آجانے سے بال بال بچ جاتے ہیں۔
ہم لوگوں کو آج تک اس کی طرف توجہ دینے کی فرصت
نہیں ملی۔ بڑے بڑے معاملات ہی آنکھ اٹھا کر دیکھنے
کی مہلت نہیں دیتے۔ ان حالات میں کیوں نہ ہم ایک
چکر اس کا لگا لیں۔" محمود روانی کے عالم میں کہتا چلا گیا۔
"تمھارا اشارہ ضرور ہوٹل بولیمار کی طرف ہے۔" فاروق
نے کہا۔
"ہاں! یہی بات ہے۔"
"پتا بھی ہے۔ وُہ کتنا خطرناک ہوٹل ہے۔" فاروق بولا۔
"نہیں! آج تک جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔"
"میں نے ایک بار محمد حسین آزاد سے اس کے بارے میں
چند خوف ناک جملے سنے تھے۔ کیوں نہ پہلے ان سے معلومات
حاصل کر لیں۔" فاروق بولا۔
"اس میں کوئی حرج نہیں۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔
محمود نے محمد حسین آزاد کے نمبر ملائے، دوسری طرف
سے اس کی آواز سُن کر اس نے کہا:
"انکل! آپ کا ہوٹل بولیمار کے بارے میں کیا خیال
ہے؟"

"ارے باپ رے۔" اس کے منہ سے مارے بوکھلاہٹ
کے نکلا۔
"کیا مطلب انکل۔ یہ آپ نے اپنا خیال بتایا ہے۔" محمود
کے لہجے میں حیرت تھی۔
"نہیں۔ یہ میں نے اپنے جذبات ظاہر کیے ہیں، مطلب
یہ کہ وہ بہت خطرناک جگہ ہے۔"
"ہم وہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"
"مجھے ساتھ لے کر جائیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔
"تو پھر آپ وہاں پہنچیے۔ ہم بھی آ رہے ہیں۔"
"او کے۔" اس نے کہا۔
وُہ ہوٹل بولیمار کے دروازے پر پہنچے تو محمد حسین آزاد
وہاں موجود تھا:
"آپ کو ساتھ لیے بغیر اگر اس ہوٹل میں ہم چلے جاتے
تو کیا ہو جاتا انکل؟" فاروق نے شوخ آواز میں پوچھا۔
"شاید آپ کو غائب کر دیا جاتا۔"
"اور آپ کی موجودگی میں ایسا نہیں ہو سکتا۔"
"نہیں! اس لیے کہ میں دفتر میں لکھ کر آیا ہوں کہ
کہاں جا رہا ہوں اور کیوں جا رہا ہوں۔"
"کیوں کے بعد آپ نے کیا لکھا؟"

"آپ تینوں کا ذکر کیا اور لکھا کہ آپ لوگ وہاں جانا چاہتے
ہیں ۔ اس لیے میرا آپ لوگوں کے ساتھ جانا ضروری ہے۔"
"کیا ہوٹل بولیمار والے آپ سے ڈرتے ہیں؟" فرزانہ
کے لہجے میں حیرت تھی۔
"ڈرتے تو وہ اپنے باپ سے بھی نہیں۔ میں تو آپ کی
مدد کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"
"آخر آپ ان کے مقابلے میں ہماری مدد کس طرح کریں
گے۔ جب وہ آپ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔"
"بات دراصل یہ ہے کہ پولیس میں ملازمت کرنے سے
پہلے میں یہاں ملازم تھا۔ اس لیے یہاں کے کچھ راز مجھے معلوم
ہیں ۔ اور کچھ کمزوریاں بھی ۔ لہذا میں آپ لوگوں کے کام
آ سکتا ہوں۔"
"اب بات سمجھ میں آئی۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔
اب وہ اندر داخل ہوئے، محمد حسین آزاد اکیلا ہی آیا
تھا۔ اپنا کوئی ماتحت ساتھ نہیں لایا تھا۔ انھیں اس کی
دلیری پر حیرت سی ہوئی۔
"ہمیں اندر صرف بیٹھنا ہے۔ یا کچھ اور کام کرنا ہے؟"
اس نے دبی آواز میں پوچھا۔
"[illegible] نہ لیں گے۔ ویسے کیا

یہاں جوا خانہ بھی ہے؟"
"اس شہر کا سب سے بڑا جوا خانہ اسی ہوٹل میں ہے۔"
"اوہ۔ تب تو ہم ہال کے بعد جوئے خانے میں بھی
جائیں گے۔"
"لیکن وہاں داخلہ صرف ممبروں کا ہوتا ہے۔"
"کیا آپ بھی نہیں لے جا سکیں گے ہمیں؟"
"میں وارنٹ لا کر جوئے خانے کو چیک کر سکتا ہوں۔
ویسے اندر داخل نہیں ہو سکوں گا۔"
"اس طرح تو مزا نہیں آئے گا۔"
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ۔ اگر وہ سرخ تل والا جوئے خانے میں ہوا
تو ہم اس تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"
"اوہ! تو آپ لوگ ٹیلی فون والے انتظام کے بعد بھی
اسی کی تلاش میں ہیں۔"
"وہ ترکیب اپنی جگہ۔ ہماری الگ کوشش بھی ہونی چاہیے،
تاکہ کوئی کسر رہ نہ جائے۔"
"ہوں ٹھیک ہے ۔ پہلے ہم ہال میں بیٹھتے ہیں۔ اس دوران
میں ذہن دوڑاؤں گا۔ شاید کوئی ترکیب سوجھ جائے۔"
"آپ فکر نہ کریں انکل۔ یہ کام ہم فرزانہ سے لے لیں

گئے۔" فاروق مسکرایا۔

وہ اندر داخل ہوئے اور سیدھے ہال میں پہنچے۔ انھ
نے دیوار کے ساتھ والی ایک میز پسند کی۔ اس جگہ سے وہ
پورے ہال کا آسانی سے جائزہ لے سکتے تھے۔ کرسیوں پر
بیٹھنے کے فوراً بعد فرزانہ بولی:

"شاید آج یہاں کچھ ہونے والا ہے۔"

"یہ کس طرح کہہ دیا تم نے؟" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"دیکھتے نہیں، بیرے خاص تیاریوں میں لگے ہیں۔"

"کسی خاص مہمان کو آنا ہوگا۔" فاروق نے کہا۔

"ہمیں کیا، ہمیں تو دلچسپی ہے سُرخ تل والے سے۔" فرزا
نے منہ بنایا۔

"ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارا یہ کیس بس سُرخ تل والے
کی ذات تک سمٹ آیا ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"انکل! کسی طرح جوئے خانے میں نہیں جا سکتے ہم۔" فرزا
محمد حسین آزاد کی طرف مڑی۔

"پہلی بات تو یہ کہ وہاں داخلہ صرف ممبروں کا ہو سکتا
ہے، دوسری بات یہ کہ ان لوگوں کے پاس جوئے کا لائسنس
ہے۔ ہم تلاشی کا وارنٹ لیے بغیر اندر داخل نہیں ہو سکیں
گے۔"

"کیا مصیبت ہے۔ اب جوئے کے بھی لائسنس دیئے جانے
لگے۔"

"اور شراب کے بھی۔ وہ بھی اسلامی ریاست میں۔"

"آخر یہ ہمارے ملک میں ہو کیا رہا ہے۔ کیا حکومت نے
طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لی ہیں۔"

"حکومت بے چاری بھی بالکل مجبور ہو کر رہ گئی ہے۔
ور صاحب کا زور نہیں چلتا۔ ملک غیر ملکی قرضوں کے بوجھ
دبا ہوا ہے۔ مزید غیر ملکی قرضے اس قسم کی شرائط پر
ہیں۔ یعنی۔ ان کے ملکوں کے لوگوں کے لیے۔ جو اس ملک
رہائش رکھتے ہیں۔ شراب پینے کی اجازت دی جائے گی۔
کے ہوٹلوں میں جوئے کی اجازت ہو گی اور بھی اس قسم
ان گنت اجازتیں یہ لوگ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اس طرح
روز بروز ان کے زیر اثر آتے چلے جا رہے ہیں، کاش
صرف ایک اللہ کے ہو کر رہ جائیں۔ اس کے علاوہ ان
ائل کا اور کوئی حل نہیں ہے۔"

"آپ نے تو اچھی بھلی تقریر جھاڑ دی۔" فاروق بولا۔

عین اس وقت سپیکر پر ایک آواز ابھری:

"حاضرین۔ ایک اعلان سنیے۔ آج آپ کے اس
خوب صورت ترین ہوٹل میں ایک بہت ہی معزز مہمان

آنے والے ہیں۔ ان کی آمد کے موقعے پر چند رنگا رنگ پروگرام ترتیب دیے گئے ہیں۔ یہ پروگرام آپ سب حضرات بھی بغیر کسی ٹکٹ کے دیکھ سکیں گے۔ ہمیں امید ہے۔ آپ کو یہ جان کر حد درجے خوشی ہوئی ہو گی۔ اعلان ختم ہوا۔"

اس کے ساتھ ہی ہال تالیوں سے گونج اُٹھا۔

"افسوس! ہمارے مسلمان یہ بھی نہیں جانتے کہ تالیاں بجانا اسلامی طریقہ نہیں ہے۔" فرزانہ نے سرد آہ بھری۔

"میں کھڑے ہو کر بتائے دیتا ہوں۔" محمود پُر جوش انداز میں بولا۔

"لیکن جواب میں طنزیہ جملے سُننے کو ملیں گے اور یہ بھی کہا جائے گا کہ اس ہوٹل کے مالکان مسلمان نہیں ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"لیکن یہاں پر موجود زیادہ تر مسلمان لوگ ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم یہ بات انہیں بتا دو۔" فرزانہ نے ہار مان لی۔

"حاضرین، السلامُ علیکم!" محمود نے اٹھنے کے بعد بلند

تالیوں کی گونج یک لخت رک گئی۔ سب نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ سکتا، دروازے پر ایک شور گونجا۔ اور سب کے چہرے اس طرف گھوم گئے۔ انہیں بھی دروازے کی طرف گھومنا پڑ گیا۔

"بس بھئی۔ میرا خیال ہے، اب تم اپنی بات پھر کبھی کہنا۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں! ان کے مہمان آ گئے ہیں۔ سب لوگ ادھر متوجہ ہو گئے ہیں، شور سا مچ گیا ہے۔ اس حالت میں اپنی بات کی بے قدری ہو گی۔ اور اسلام کی کسی بات کی بے قدری ہو، یہ ہم برداشت نہیں کر سکتے، اس لیے پھر سہی۔" محمود یہ کہہ کر بیٹھ گیا۔

ادھر معزز مہمان کو ہاتھوں ہاتھ اندر لایا جا رہا تھا۔ انہیں یہ دیکھ کر حد درجے حیرت ہوئی کہ وہ شیخ خالد ابرار وزیرِ خارجہ تھے۔

"حیرت ہے۔ وزیرِ خارجہ اور یہاں۔ کمال ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"اتنے مصروف لوگ بھی ایسی جگہوں پر آ جاتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"پھر وہی بات! آ نہیں جاتے۔ لائے جاتے ہیں،

انھیں یہاں لانے کے لیے نہ جانے کتنے چکر چلائے گئے ہوں گے۔ شیخ صاحب جب بالکل مجبور ہو گئے ہوں گے، تب انھوں نے یہاں آنے کا پروگرام بنایا ہو گا۔"

انھوں نے دیکھا، شیخ خالد ابرار کو ایک سٹیج نما میز پر بٹھا دیا گیا۔ میز پر کھانے پینے کی چیزیں پہلے ہی چن دی گئی تھیں:

اسی وقت سپیکر پر آواز گونجی:

"ہمارے آج کے معزز مہمان! اس ملک کے وزیرِ خارجہ شیخ خالد ابرار صاحب۔"

ایک بار پھر تالیاں گونج اٹھیں اور اس زور سے گونجیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ اس قدر پُر جوش استقبال دیکھ کر وزیرِ خارجہ شیخ خالد ابرار بھی پھولے نہ سما رہے تھے۔

"آخر انھیں ہوٹل کیوں بلوایا گیا ہے؟" فرزانہ بڑبڑائی۔

"کسی غیر ملکی طاقت کو کوئی مطلب نکالنا ہو گا۔" فاروق نے کہا۔

"ان کے ساتھ حکومت کے کچھ اور ذمے دار لوگ بھی نظر آ رہے ہیں۔ ضرور کوئی اہم معاملہ طے ہو گا۔" محمود نے

"پہلے کھانے پینے کا دور چلے گا۔ اس کے بعد شیخ صاحب ایک اہم اعلان کریں گے۔ تمام اخباری رپورٹر بھی موجود ہیں۔" اعلان کیا گیا۔

کھانے پینے کا پروگرام شروع ہوا۔ اس میں آدھ گھنٹا لگ گیا۔ آخر کار شیخ صاحب اٹھے۔ اور پھر مائک کے ذریعے ان کی آواز پورے ہال میں گونجنے لگی۔

خوف کے لمحات

وہ حیرت زدہ سے، جوہری کی دکان سے باہر نکل آئے:

"جوہری کی اطلاع نے مجھے حیرت میں ڈال دیا ہے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اس سرخ تل والے کا کوئی تعلق شیخ خالد ابرار سے ہے۔" انسپکٹر جمشید نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"ہمیں ابھی اور اسی وقت ان کے گھر جا کر اس کے بارے میں معلوم کرنا چاہیے۔" خان رحمان کافی بے چین تھے۔

"بالکل ٹھیک! میرا بھی یہی خیال ہے۔" پروفیسر صاحب نے تائید کی۔

وہ تیز رفتاری سے کار چلاتے شیخ خالد ابرار کی کوٹھی پہنچے، ملازم نے ان کا استقبال کیا:

"شیخ صاحب کو اطلاع دو۔ کہ ہم آئے ہیں۔"

"لیکن جناب! وہ تو گھر پر نہیں ہیں۔ آج انہیں ہوٹل بولیمار جانا تھا۔"

"کیا کہا۔ ہوٹل بولیمار؟" انھوں نے چونک کر کہا۔

"جی ہاں۔ وہیں۔"

"کیا وہ اس وقت وہاں ہوں گے؟"

"بالکل جناب۔ وہاں قریباً ڈیڑھ گھنٹے کا پروگرام ہے اور انھیں یہاں سے گئے ابھی صرف پندرہ منٹ ہوئے ہیں۔"

"آؤ بھئی چلیں۔"

وہ فوری طور پر ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہوٹل کے باہر پہنچ کر انھوں نے کار پارک میں کھڑی کی اور صدر دروازے کی طرف آئے، لیکن دروازہ بند تھا۔ باہر بے حد ہجوم تھا۔ اور اندر بھی لوگ کھچا کھچ نظر آ رہے تھے، ہوٹل کے باہر بھی ایک سپیکر لگا ہوا تھا۔ اس میں سے شیخ خالد ابرار کی آواز گونج رہی تھی۔

"میرا خیال ہے۔ اس وقت دخل اندازی مناسب نہیں ہو گی۔ ہم بھی باہر ٹھہر کر ان کی تقریر سن لیتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" پروفیسر صاحب اور خان رحمان ایک ساتھ بولے۔

"حیرت ہے۔ یہاں شیخ صاحب کا کیا کام؟" پروفیسر صاحب کے منہ سے نکلا۔

pk7e@hotmail.com اردو فینز کے لیئے

انھوں نے سُنا، وزیرِ خارجہ کہ رہے تھے:

"مجھے یہاں آ کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ یہ دعوت غیر مُسلم اقلیتوں کی طرف سے دی گئی ہے۔ خاص طور پر عیسائی برادری کی طرف سے۔ عیسائی حضرات نے اپنا ایک مطالبہ صدر صاحب کے سامنے رکھا تھا۔ مجھے آج یہاں یہ بتانا ہے کہ وُہ مطالبہ کیا تھا اور اس کے بارے میں اعلان بھی کرنا ہے کہ صدر صاحب نے اپنی کابینہ سے مشورے کے بعد اس بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔

"ہاں تو حضرات۔ وُہ مطالبہ یہ تھا کہ اس مُلک میں غیر مسلم لوگوں کو فوج میں ملازمتیں نہیں دی جاتیں، جب کہ یہ ہمارا حق ہے۔ آخر ہم اس مُلک میں مستقل طور پر رہتے ہیں، ہم اس مُلک کا کھاتے ہیں، اس ملک کے وفادار ہیں اور وقت پڑنے پر اس کے لیے جانوں کا نذرانہ بھی دینے سے نہیں چوکیں گے۔ لہذا ان حالات میں، ہمیں بھی فوج کی ملازمتوں میں سے حصّہ ملنا چاہیے۔

یہ مطالبہ ایک وفد نے صدر صاحب کو پیش کیا تھا [illegible] لوگوں پر مشتمل

تھا۔ صدر صاحب نے اس پر پوری طرح غور کرنے کا وعدہ کیا تھا؛ چنانچہ اس پر خوب غور کیا گیا۔ اور آخر یہ طے کیا گیا کہ آیندہ غیر مسلموں کا بھی فوج کی ملازمتوں میں پانچ فی صد کوٹہ مقرر کر دیا جائے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اُٹھا۔ ادھر انسپکٹر جمشید، خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے چہرے مارے غصّے کے سرخ ہو گئے:

"میں اب یہ تقریر نہیں سُن سکتا۔ چلو خان رحمان۔"

"کہاں چلیں۔ اور کیا تم وُہ انگوٹھی ..."

"پھر دکھائیں گے۔ اس وقت وہ انگوٹھی کو کب خاطر میں لائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے تلملا کر کہا۔

"ہم ابھی اور اسی وقت صدر صاحب سے بات کریں گے جمشید۔" پروفیسر داؤد بُری طرح تپ رہے تھے۔

اور پھر وُہ ایوانِ صدر جا پہنچے۔ صدر صاحب نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا:

"شاید وزیرِ خارجہ کی تقریر سُن کر آ رہے ہیں۔" ان کے لہجے میں شدید بے چینی تھی۔

"یس سر۔ یہی بات ہے۔"

"تب پھر میں جانتا ہوں۔ آپ کیا کہنے کے لیے آئے

ہیں ۔ یہی نا کہ یہ ہم نے کیسا فیصلہ کیا ہے ۔ پہلے ہی فوج میں مرزائی موجود ہیں ۔ جو مُلک کو نقصان پر نقصان پہنچا رہے ہیں ، اب عیسائی بھی شامل کیے جائیں گے ۔ عیسائی ہمارے ملک میں پہلے ہی بہت زور شور سے عیسائیت کی تبلیغ کر رہے ہیں ۔ یہ سب کچھ ہمارے ملک کے حق میں کہاں تک بہتر رہے گا ۔ میں جانتا ہوں ۔ ہرگز بہتر نہیں رہے گا ، لیکن کیا آپ لوگ سمجھتے ہیں ۔ یہ ہم نے اپنی خواہش سے منظور کیا ہے ۔ نہیں ۔ ہرگز نہیں ۔ ہم ایسا کوئی مطالبہ منظور نہیں کرنا چاہتے تھے ، لیکن ایک بار پھر وہی بڑی طاقتیں اور ان کے خوفناک حد تک بڑھے ہوئے قرض ہمارے راستے کی دیوار بن گئے ۔ بلکہ راستے کا قلعہ بن گئے اور ہم کچھ بھی نہ کرسکے ۔ دھمکی یہ تھی کہ تمام قرضے بند کر دیے جائیں گے ۔ تمام فوجی اور غیر فوجی امداد روک دی جائے گی اور تمام سفارتی تعلقات ختم کر دیے جائیں گے ۔ ان حالات میں ہم کیا فیصلہ کر سکتے تھے ، جبکہ دشمن بھی سرحدوں پر تُلا بیٹھا ہے ۔" صدرِ مملکت

" ان تمام مشکلات کا حل تو بہت آسان ہے جنابِ عالی ؟" انسپکٹر جمشید بولے ۔

" میں وہ حل جانتا ہوں جمشید ، لیکن میری کابینہ کے لوگ اس حل کو نہ سمجھتے ہیں ، نہ مانتے ہیں ۔ وہ سب بڑی طاقتوں سے خوف زدہ ہیں ، ایک اللہ سے نہیں ۔ بلکہ یہ خیال عوام میں بھی جڑ پکڑ چکا ہے کہ اگر انشارجہ نے ہماری امداد روک لی ، فلاں مُلک نے قرضہ نہ دیا ، فلاں مُلک نے اسلحہ نہ دیا تو ہمارا کیا بنے گا ۔"

" جنابِ عالی ۔ ایسے تمام لوگوں کو دلیلوں سے قائل کیا جا سکتا ہے ۔ مثال کے طور پر جب ابرہہ نے مکے پر ہاتھیوں کے لشکر سے چڑھائی کی تھی تو مکے کے لوگوں کو کون سے غیر مُلک کی امداد ملی تھی ، ان ابابیلوں کی چونچوں میں آخر کیا تھا ، جنھوں نے ہاتھیوں کو گلا سڑا بھوسہ بنا دیا تھا ۔ کیا وہ ننھی کنکریاں ایٹم اور ہائیڈروجن بموں سے زیادہ طاقتور نہیں تھیں ۔ وہ ابابیلیں کیا ایف ١٦ سے زیادہ طاقتور نہیں ثابت ہوئی تھیں ۔ اور جنابِ والا ۔ کیا آپ نہیں جانتے آثارِ قدیمہ نے زمین میں دھنسا ہوا ایک شہر دریافت کیا ہے ۔ اس شہر کی فضا میں انھیں تابکاری

اثرات ملے ہیں جو حد درجے طاقت ور ہیں، یہاں
تک کہ عالم گیر جنگ میں اتحادی فوجوں نے ہیروشیما
اور ناگا ساکی پر جو ایٹم بم برسائے تھے۔ ان سے جو
تابکاری اثرات پھیلے ہیں، وہ ان سے کہیں کم ہیں
جو اس شہر میں پائے گئے ہیں۔ دفن شدہ شہر کے
بارے میں تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اسے اللہ تعالےٰ
کے قہر نے زمین میں دھنسا دیا تھا۔ گویا اللہ تعالےٰ
نے بھی اس شہر پر کوئی ایسی چیز دے ماری کہ پورا
شہر زمین میں دھنس گیا اور اس چیز کے تابکاری اثرات
وہاں باقی رہ گئے۔ ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے
کہ انشارجہ، ونتاس، بیگال، شارجتان اور ملک شین۔
ان سب کی مل کر بھی اللہ تبارک تعالیٰ کے آگے
چیونٹی کے پر جتنی بھی حیثیت نہیں ہے۔ اب ہم
اپنے ذہنوں میں انھیں ہوّا بنا لیں تو یہ ہمارے ایمان
کی کمزوری ہے۔ ورنہ یہ طاقتیں ہیں کچھ نہیں۔" انسپکٹر
جمشید نے بھی جواب میں تقریر کر ڈالی۔
"یہ باتیں ان لوگوں کے لیے بہت کافی ہیں جن کے
دلوں میں ایمان کی شمع روشن ہے، لیکن جن کو اسلام چھو کر
 ہیں، ان باتوں پر

ہنستے ہیں۔ اس کا کیا علاج ہے جمشید۔"
"تب میں ایسے لوگوں سے پوچھوں گا کہ چند سال پہلے
ونتاس کے کئی شہروں کے درختوں سے بور جھڑنا شروع
ہو گیا تھا۔ یہ بور اس قدر جھڑا کہ سڑکیں بلاک ہو گئیں۔
پورا ونتاس حرکت میں آ گیا تھا۔ ادھر وہ سڑکیں صاف
کرتے تھے، ادھر پھر بور کے ڈھیر لگ جاتے تھے۔ وہ اس
بور کا کوئی علاج دریافت نہ کر سکے۔ عاجز آ گئے۔ ان کی
ساری سائنس دھری کی دھری رہ گئی۔ اس وقت وہ ہاتھ
پر ہاتھ دھر کر رہ گئے تھے۔ انھیں کچھ بھی سجھائی نہیں دے
رہا تھا اور مزے کی بات یہ کہ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔"
انسپکٹر جمشید ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔
"یہ باتیں واقعی ایسی ہیں کہ انسان کی آنکھیں کھول دیں،
لیکن افسوس۔ اب میں کیا کہوں۔"
"خیر جناب اعلیٰ۔ آپ نہ کہیں کچھ۔ لیکن۔ میں کہے بغیر
نہیں رہ سکتا، ان بڑی طاقتوں نے ہمیں بہت بڑے اندھیرے
میں پھینک دیا ہے۔ ہمیں اس اندھیرے کے سوا کچھ دکھائی
نہیں دیتا۔ ہمیں اجازت دیجیے۔"
"ناراض ہو گئے جمشید، لیکن میں شاید تم سے بھی زیادہ
بے بس ہوں۔"

" معاف کیجیے گا سر۔ اگر ایسا ہے تو کسی انتہائی مخلص
آدمی کو اقتدار سونپ کر علیحدہ ہو جائیں۔" انھوں نے نرم
الفاظ منہ سے نکالے۔

" ہاں جمشید۔ مجھے یہی کرنا چاہیے۔ اور میں ایسا کروں
گا۔ تم فکر نہ کرو۔"

" لیکن جناب صرف اس صورت میں، جب کہ آپ قوم
کو واقعی ایک مخلص ترین آدمی دینے کے قابل ہوں، ورنہ کوئی
فائدہ نہیں ہوگا۔ جمہوریت کے ذریعے ہمارے ملک میں کوئی
انقلاب نہیں لایا جا سکتا۔ اس بات کو لکھ لیجیے سر، جمہوریت
کے ذریعے صرف غنڈہ گردی کی حکومت آ سکتی ہے۔"

" ہاں! میں اس بات کو مانتا ہوں۔ آج اگر کوئی
مخلص آدمی الیکشن لڑے تو شاید اس کے اپنے گھر والے بھی
اسے ووٹ نہیں دیں گے، ان حالات میں اس کا جیت
جانا ناممکن ہے۔ اور جب مخلص آدمی اوپر نہیں آ سکتے تو پھر
جمہوریت کا کوئی فائدہ نہیں۔"

" تمھارے خیال میں کوئی حل ہے تو بتا دو جمشید۔"

" حل ہے سر، لیکن آپ کو اپنے عہدے سے الگ
ہونا پڑے گا۔"

 ف اسلام، ملک اور

قوم کی بہتری چاہتا ہوں۔" انھوں نے فوراً کہا۔

" تو پھر تھوڑا انتظار کریں سر۔ ہم لوگ آپ کو بتائیں
گے۔ وہ کون شخص ہے۔ جو پکے اور سچے مسلمان کی حیثیت
سے اس ملک کی باگ ڈور سنبھال سکتا ہے۔"

" میں اس شخص کا استقبال کروں گا۔"

وہ وہاں سے رخصت ہوئے۔

" محمود، فاروق اور فرزانہ کی طرف سے ابھی تک کوئی اطلاع
نہیں ملی۔" انسپکٹر جمشید نے الجھن کے عالم میں کہا۔

" ہو سکتا ہے، انھیں کوئی سراغ مل گیا ہو۔ اور وہ
اس میں الجھ گئے ہوں۔" خان رحمان نے خیال ظاہر کیا۔

" ارے ہاں! شیخ ابرار صاحب تو شاید اب تک واپس آ
گئے ہوں۔ فون کرکے معلوم کر لیں، پھر ان سے ملاقات
کرتے ہیں، اس انگوٹھی نے کافی سپنس پیدا کر دیا ہے۔"

یہ کہ کر انھوں نے شیخ صاحب کے نمبر ملائے۔ معلوم
ہوا، شیخ صاحب واپس گھر آ چکے ہیں۔ وہ سیدھے وہاں پہنچے۔
شیخ خالد ابرار نے تھکے تھکے انداز میں ان کا استقبال کیا۔ ان
کی بیگم اور بچے بھی ان کے آس پاس موجود تھے۔

" ہم آپ کو ناوقت زحمت دے رہے ہیں۔"

" کوئی بات نہیں۔ آپ ۔ سب کر بھی۔ تو میرے ہی

سلسلے میں رہے ہیں۔"

"شکریہ جناب۔ آپ نے ہیرے کی کوئی انگوٹھی فاخر جیولرز سے خریدی تھی؟"

"ہاں! میں جب بھی کوئی زیور خریدتا ہوں، ان سے ہی خریدتا ہوں۔" وہ بولے، لہجے میں قدرے حیرت بھی تھی۔

"میں اس انگوٹھی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"خیر تو ہے، اس میں ایسی کیا خاص بات ہے۔"

"جی بس۔ پہلے آپ وہ دکھائیں۔"

"میں نے وہ انگوٹھی اپنی بیگم کے لیے خریدی تھی۔ بیگم وہ انگوٹھی لا کر انھیں دکھا دیں۔"

"جی۔ اچھا۔" انھوں نے کہا اور اٹھ کر کمرے سے نکل گئیں۔ دو منٹ بعد ان کی واپسی ہوئی۔ چہرے پر گھبراہٹ کے آثار طاری تھے:

"وہ۔ وہ انگوٹھی تو سیف میں نہیں ہے۔"

"کیا کہا؟" شیخ صاحب دھک سے رہ گئے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"جی ہاں! وہ سیف میں نہیں ہے۔"

"اور۔ اور باقی زیورات؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر انگوٹھی چرائی گئی ہے تو پھر باقی زیورات کو کیوں ہاتھ نہیں لگایا گیا؟"

"بھلا میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ کہیں یہ کام گھر کے کسی ملازم کا نہ ہو۔ اتنے بہت سے زیورات میں سے اگر کوئی ننھا سا زیور اڑا لیا جائے تو فوری طور پر اس کا پتا نہیں چلتا، لیکن اگر کئی زیور چرائے جائیں تو فوراً پتا چل جاتا ہے۔ شاید چور نے اسی خیال سے صرف ایک انگوٹھی چرائی۔"

"بات معقول ہے۔" خان رحمان نے سر ہلایا۔

"لیکن آپ لوگ اس انگوٹھی کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں؟" شیخ صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ بات ہم پھر کسی وقت بتائیں گے جناب، کیونکہ ہم مجبور ہیں۔ ہاں! یہ تو ذرا بتا دیں۔ کیا آپ کسی ایسے آدمی کو جانتے ہیں جو قد میں لمبا، جسامت میں خوب چوڑا چکلا اور اس کی ناک کی نوک پر سرخ رنگ کا تل ہو؟"

"لمبا چوڑا۔ ناک کی نوک پر سرخ تل۔ میں نے تو کبھی اس حلیے کا آدمی نہیں دیکھا۔" انھوں نے کہا۔

"پھر بھی آپ یاد کرنے کی کوشش کیجیے گا۔ اور آپ لوگ بھی۔" انسپکٹر جمشید نے بیگم اور بچوں کی طرف دیکھا۔

"جی۔ جی بہتر!" بڑا لڑکا بولا۔

"آپ کو شاید یہ سب کچھ بہت عجیب لگ رہا ہے؟"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"اس لیے کہ کبھی جاسوسی معاملات سے واسطہ نہیں پڑا۔" وہ مسکرائے۔

"شاید یہی بات ہے۔"

"آپ لوگ ذرا ذہن دوڑائیے۔ ہو سکتا ہے، اس حلیے کا کوئی آدمی یاد آ جائے۔ اور اب ہم آپ کے ملازمین سے سوالات کرنا چاہیں گے۔ معلوم تو ہو۔ وہ انگوٹھی ان میں سے کس نے چرائی ہے۔"

شیخ صاحب نے ایک الگ کمرے میں ملازمین سے پوچھ گچھ کا انتظام کروا دیا۔ انسپکٹر جمشید نے باری باری ملازموں کو بلانا شروع کیا اور ان سے سوالات کیے۔ سوالات کے دوران ان کا بغور جائزہ بھی لیا۔ پھر انھیں رخصت کر دیا اور خود بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایسے میں شیخ صاحب ان تک پہنچ گئے:

"کیوں انسپکٹر صاحب۔ کچھ پتا چلا؟"

"جی نہیں۔ ابھی میں کوئی سراغ نہیں لگا سکا۔"

"ان میں کوئی ایک ہی چور ہو سکتا ہے؟"

"میں بہت جلد چور کا سراغ لگا لوں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ مسکرائے۔

وہ باہر کی طرف چل پڑے۔ ایسے میں ان کی نظر پائیں باغ پر پڑی۔ بے خیالی کے عالم میں وہ باغ میں داخل ہو گئے۔ چند منٹ تک کھوئے کھوئے انداز میں باغ اور باغ کے ارد گرد کا جائزہ لیتے رہے، پھر بہت زور سے اچھلے۔ ان کے چہرے پر بے پناہ خوف بھی نظر آیا۔

ہوٹل بولیمار

وزیرِ خارجہ کی تقریر سُن کر وہ سناٹے میں آگئے:

"یہ۔ یہ کیسا فیصلہ ہے بھئی؟"

"سو فی صد غلط۔ فوج میں غیر مسلموں کا کیا کام۔ جنگ کے دوران وہ صرف اور صرف غداری کریں گے، اسی لیے انھیں شامل کرایا گیا ہے۔"

"لیکن ہمارے مُلک کے صدر کو کیا ہو گیا، انھوں نے یہ فیصلہ کیسے دے دیا؟"

"بڑی طاقتوں کی کارستانی ہو گی۔ خیر اس پر ہم پھر گفت گو کریں گے۔ بلکہ ابّا جان اور انکلز وغیرہ سے کریں گے، تاکہ وہ صدر صاحب سے ملاقات کریں اور اس حکم پر عمل رکوائیں۔ اس وقت ہمارا مسئلہ ہے سُرخ تِل والا۔ میں نے تمام لوگوں کو بغور چیک کیا ہے۔ ابھی تک تو یہاں کوئی سُرخ

"اس کے لیے ہمیں کسی طرح جوئے خانے میں داخل ہونا ہوگا۔" محمود نے کہا۔

"نہیں ہو سکیں گے۔" محمد حسین آزاد نے انکار میں سر ہلایا۔

"انکل! ہم ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر داخل ہوں گے۔ ہمارا اندازہ ہے۔ ایسے لوگ جوا ضرور کھیلتے ہیں، میرا مطلب ہے، جو لوگ بے تحاشہ دولت حاصل کرتے ہیں، وہ بے تحاشہ خرچ بھی کرتے ہیں اور بے تحاشہ جوئے کے ذریعے آسانی سے خرچ بلکہ ضائع ہو سکتی ہے، اس لیے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اندر ہی کہیں ہو گا اور جوئے کے چکر میں ان لوگوں کو وزیرِ خارجہ صاحب کی تقریر سے بھی کوئی دلچسپی نہیں ہو گی۔"

"ہُوں۔ محمود تمہاری باتوں میں کچھ زیادہ ہی وزن آ چلا ہے۔ کہیں ہم ان کے بوجھ تلے دب نہ جائیں۔" فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

"تو پھر اٹھ چلو۔ انکل کو یہیں رہنے دو۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" محمد حسین آزاد نے جلدی سے کہا، وہ ان کے فیصلے سے گھبرا گیا تھا۔

"شکریہ انکل۔"

تینوں اٹھ کر جوئے خانے کی سمت میں بڑھے۔

" فرزانہ ! کیا تمھارے ذہن میں کوئی ترکیب ہے؟"

" ایک چھوٹی سی - اپنے سائنسی آلات نکال کر ہاتھوں میں لے لو۔"

" وہ کیوں" محمود چونکا۔

" بس لے لو۔" وہ مسکرائی۔

" بس لے لو بھئی" محمود نے فاروق کی طرف دیکھا۔

" کہاں سے لے لوں بس - اتنے پیسے نہیں ہیں میری جیب میں" فاروق بولا ۔

" یار سمجھا کرو ، مفت مل رہی ہے" محمود نے کہا۔

" اِدھر اُدھر کی مت ہانکو - ہم خطرناک جگہ جا رہے ہیں"

" یہ کیا خاص بات ہوئی"

" اچھا بس - اب خاموش ہو جاؤ اور آلات نکال لو - جلدی" فرزانہ نے بھنا کر کہا۔

اس کے لہجے سے گھبرا کر دونوں نے اپنے سائنسی آلات جیبوں سے نکال لیے۔

" ساتھ میں ریڈی میڈ میک اپ بھی کر لو"

" چلو کر لیا" انھوں نے ہاتھوں کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔

" ہاں ! اب ٹھیک ہے" یہ کہہ کر فرزانہ نے خود بھی

اور پھر وہ جوئے خانے کے دروازے پر پہنچ گئے:

" اے - کدھر کا ارادہ ہے؟"

" اندر جائیں گے بھئی"

" داخلہ بند ہے - اندر صرف ممبر جا سکتے ہیں"

" اگر اندر کہیں بم رکھ دیا جائے تو کیا اس صورت میں بھی ممبر ہی اندر جاتے رہیں گے اور بم تلاش کرنے والے عملے سے کہا جائے گا کہ صرف ممبر ہی اندر جا سکتے ہیں"

" کیا کہا - بم"

" ہاں ! بم"

" کس نے کہا کہ اندر بم رکھا گیا ہے"؟

" آپ دیکھ نہیں رہے - ہمارے ہاتھوں میں آلات موجود ہیں ، کیا ہمیں پاگل کتے نے کاٹا ہے کہ آلات اٹھا کر بلکہ منہ اٹھا کر چلے آئے" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

" ارے باپ رے - تو - و اندر بم رکھ دیا گیا ہے"

" چلانے اور شور مچانے کی ضرورت نہیں ، اس طرح خوف و ہراس پھیلے گا - ہم نہایت خاموشی سے اندر چیک کر لیں گے اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہو گی کہ کیا معاملہ ہے - اگر کوئی کھلاڑی پوچھے تو آپ صرف کہہ دیں - الیکٹریشن ہیں - بجلی میں کہیں خرابی ہے"

"اوہ — ٹھیک ہے — ٹھیک ہے — آپ جائیں اندر۔"

"دیکھا! میں نے کہا تھا نا کہ دروازے پر کھڑا شخص اتنا بے وقوف نہیں ہو سکتا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

محمود اور فرزانہ نے فاروق کو گھورا — بھلا اس موقعے پر اس جملے کے ذریعے خوشی کا اظہار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

"وہ — میرا مطلب ہے — ان کا خیال تھا کہ آپ بم کی اطلاع سن کر بھی شاید ہمیں اندر نہ جانے دیں۔"

"بھئی آپ لوگ جوا کھیلنے تو آئے نہیں۔"

"توبہ توبہ — ہم تو جوئے کے پاس بھی نہیں جاتے۔" فاروق نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"اچھا کرتے ہیں — جوا ایک لعنت ہے۔" دروازے پر کھڑے نگران نے کہا۔

"یہ آپ کہہ رہے ہیں — ایک جوئے خانے کے دروازے پر کھڑے ہو کر۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! میں ہی کہوں گا اور کون کہے گا — میں اندر کے نظارے دیکھتا رہتا ہوں نا — اوہو — کیا آپ بم کو بھول گئے ہیں؟" نگران نے کہا۔

"[illegible] بھئی۔"

تینوں اندر داخل ہو گئے اور لگے اِدھر اُدھر اپنے آلات لگانے — اس کے ساتھ ساتھ وہ تمام جواریوں کو بھی بغور دیکھ رہے تھے — ایسے میں ایک خوف ناک آواز گونجی:

"اے — تم کون ہو؟"

انھوں نے چونک کر اوپر دیکھا — ایک دیو قامت آدمی ان کے سروں پر کھڑا خونخوار انداز میں گھور رہا تھا —

"جی — جی ہم — یعنی کہ ہم۔"

"ہاں! تم کون ہو؟"

"ہم انسان ہیں۔"

"میں پوچھ رہا ہوں — یہ یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو — تمھیں اندر کس نے آنے دیا؟"

"ویسے تو ہم اللہ کی مہربانی سے اندر آئے ہیں — ہاں! بظاہر دروازے پر موجود نگران نے اجازت دی ہے۔"

"پہلے تو میں اس کی خبر لیتا ہوں۔"

"لینی بھی چاہیے — بہت غیر ذمے دار آدمی ہے۔" فاروق نے کہا —

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا —

"شاید یہ جوئے خانے کا انچارج ہے۔"

"ہوگا — ہمیں کیا — اپنا کام کرو — اور جلدی جلدی کرو۔"

انھوں نے تمام چہروں کا جائزہ لینا شروع کیا ، لیکن سرخ تل والا کہیں بھی نظر نہ آیا :

" ہو سکتا ہے ، اس نے پہچان لیے جانے کے ڈر سے سرخ تل کٹوا دیا ہو" فرزانہ بڑبڑائی۔

" اس صورت میں ناک پر زخم ہونا چاہیے۔"

" ہو سکتا ہے ، تل کا رنگ تبدیل کرا لیا ہو۔ آج کل میک اپ لوشنوں کے ذریعے ایسا بھی کیا جا سکتا ہے۔"

" ہمیں کسی اور رنگ کے تل والا بھی تو نظر نہیں آیا۔" محمود نے کہا۔

" اس کا مطلب ہے۔ یہاں آنا بھی بے کار گیا۔"

" ایسا ہی لگتا ہے۔"

اسی وقت تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہی دیو قامت آدمی آتا نظر آیا۔ اب اس کے چہرے پر خوف ہی خوف تھا۔

" تت۔ تت۔ تو اندر کسی نے بم رکھ دیا ہے۔"

" کیا خیال ہے۔ اپنا کام جاری رکھیں یا یہاں سے نکل جائیں۔"

" نن۔ نہیں۔ جاری رکھیں۔ جاری رکھیں۔"

" شک [illegible]

اچانک ایک اور گرج دار آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی :

" یہ کیا ہو رہا ہے۔"

" آج شاید ہر آدمی ہم سے یہ پوچھے گا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

" آپ اپنا کام کریں۔ ان سے میں بات کر لیتا ہوں۔"

اس مرتبہ بولنے والا ایک بغلی دروازے سے جوئے خانے میں داخل ہوا تھا اور اس کی نظریں ان تینوں پر جمی تھیں۔ پھر وہ دیو قامت کے سامنے آ کر ٹھہر گیا :

" میں نے کہا تھا۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟" وہ غرایا۔

" بس۔ سر۔ بم۔ کسی نے اندر بم رکھ دیا ہے۔" نگران نے کانپتی آواز میں کہا۔

" کیا کہا۔ بم۔" وہ چلا اٹھا۔ نگران گھبرا گیا۔

" یہ آپ نے کیا کیا۔ اب سب لوگ گھبرا جائیں گے۔" نگران بولا۔

" بم۔ بم۔" کھلاڑی چلا اٹھے۔

وہ میزوں پر لگی رقوم کو بھی بھول گئے۔ یک دم اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر کی طرف بھاگنے لگے۔ تینوں اب بھی ان لوگوں کو بغور دیکھ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے۔ ہال خالی ہو گیا۔

"دیکھا آپ نے۔"

"ہاں دیکھا ۔ یہ تجربہ ہمارے لیے بُرا نہیں رہا ۔ اب یہ سب رقوم جوئے خانے کی ہیں۔" یہ کہ کر وُہ ان کی طرف مڑتے ہوئے بولا:

"تم کون ہو؟"

"آپ دیکھ نہیں رہے۔"

"تو تم بم تلاش کرنے والے ہو؟"

"اب ہم اپنے منہ سے کیا کہیں۔" فاروق نے شرما کر کہا ۔

وُہ ان کے نزدیک آ گیا ۔ اچانک اس کا ایک ہاتھ محمود کی ناک پر پڑا ۔ ناک کا سپرنگ نکل گیا ۔ اور محمود کا اصلی چہرہ نظر آنے لگا ۔

"ارے! یہ کیا ۔ اس کی تو شکل بدل گئی۔"

"ابھی کیا ہے ۔ ابھی تو ان دونوں کی بھی بدلے گی۔" وُہ مسکرا دیا ۔

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" فاروق نے یہ کہ کر سپرنگ نکال دیا ۔ فرزانہ نے بھی ایسا ہی کیا ۔

"یہ ۔ یہ ۔ یہ کیا۔" نگران بوکھلا اٹھا ۔ اس کی آنکھوں میں حیرت

"تین بار یہ کہنے کے لیے شکریہ قبول کرو بھائی۔" فاروق نے کہا ۔

"کیوں ۔ انھیں پہچانتے ہو؟"

"ہاں! انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ یہ یہاں کیوں نظر آ رہے ہیں ۔ ہمارا یہ جوئے خانہ غیر قانونی نہیں ہے ، ہمارے پاس لائسنس ہے۔"

"یہ تو یہی بتائیں گے سر۔" نگران پریشان آواز میں بولا ۔

"ضرور بتائیں گے ۔ ہم ان سے پوچھ کر رہیں گے۔"

"پہلے تو یہ بتائیں ۔ آپ کون صاحب ہیں؟" محمود نے منہ بنایا ۔

"میں ۔ میں اس ہوٹل کا نائب مینجر ہوں ۔ مارک گرین۔"

"تو مسٹر مارک گرین ۔ ہمیں ایک مجرم کی تلاش ہے ۔ بس ہم اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں ۔ آپ کے جوئے خانے سے ہمیں کوئی مطلب نہیں ، لیکن چونکہ یہاں داخلہ بند ہے ، اس لیے یہ چکر چلانا پڑا۔"

"اس بیان سے میں مطمئن نہیں ہوا۔"

"تو پھر؟" محمود نے جھنجلا کر کہا ۔

"میں پولیس کو فون کر رہا ہوں ۔ تم لوگ غیر قانونی طور

پر اندر داخل ہوئے ہو۔"

" جیسے آپ کی مرضی ۔ اس طرح ہمارا بھلا کیا بگڑے گا ، پولیس ہمیں گرفتار نہیں کر سکے گی۔"

" پولیس کو گرفتار کرنا ہو گا۔" وہ غرایا۔

" کوشش کر کے دیکھ لیں۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

" ویسے کیا آپ کسی ایسے آدمی کو جانتے ہیں ۔ جس کی ناک کی نوک پر سُرخ تل ہو؟" فرزانہ نے اچانک کہا۔

" کیا مطلب ؟" وہ چونکا۔

" آپ سُرخ تل کا مطلب پوچھ رہے ہیں ۔ کمال ہے ۔ ویسے آپ کے چونکنے کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس شخص کو جانتے ہیں۔"

" ہاں شاید ۔ لیکن میں تمھیں کیوں بتاؤں۔" اس نے جل کر کہا ۔

" اگر آپ اس کے بارے میں جانتے ہیں تو پھر آپ کو بتانا ہو گا۔" محمود غرایا۔

" کیا زبردستی معلوم کرو گے مجھ سے۔"

" ہاں بالکل ! یہ دیکھیے ۔ میرے ہاتھ میں کیا ہے ؟"

محمود کے ہاتھ میں اب ایک ننھا سا پستول نظر

" ایک کھلونا پستول۔"

" یہ اصلی پستول سے کہیں زیادہ خطرناک ہے ۔ میں تین تک گنوں گا ۔ اگر تین پر آپ نے اس شخص کے بارے میں نہ بتایا کہ ہمیں کہاں مل سکے گا ۔ تو میں اس پستول کا ٹریگر دبا دوں گا ۔ پھر نہ کہیے گا ۔ کہ یہ کیا ہوا۔" محمود نے کہا ۔

" اچھا نہیں کہوں گا۔" وہ ہنسا ۔

" ایک ۔" محمود نے کہا اور ٹھہر گیا ۔ چند سیکنڈ بعد اس نے کہا :

" دو ۔"

" تین !"

مارک گرین تین پر بھی ہنستا ہی رہا ۔ ادھر محمود نے ٹریگر دبا دیا ۔ پستول میں سے بجلی کی چمک جیسی ایک لہر نکلی اور سیدھی مارک کی طرف گئی ۔ مارک کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکل گئی ۔ وہ تڑ سے گرا اور تڑپنے لگا ۔ اب اس کی آنکھوں میں بلا کی حیرت بھی تھی ، اس کا ساتھی تو سکتے کے عالم میں رہ گیا تھا :

" جلدی بتاؤ مسٹر مارک ! ابھی میں نے آپ کی ایک ٹانگ پر فائر کیا ہے ، اگر کہیں میں پستول کا رُخ آپ

کی آنکھوں کی طرف کر دیتا تو آپ اس وقت اندھے ہو چکے تھے ۔ اگر آپ نے فوراً سرخ تل والے کے بارے میں نہ بتا دیا تو پھر میں آنکھوں پر فائر کروں گا۔"

"نن ۔ نہیں ۔ ایسا نہ کیجیے گا۔"

"تو پھر سرخ تل والے کا ٹھکانا بتا دیں۔"

"۹۰۴ خاور بلاک، نیلم گڑھ۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"اگر یہ پتا فرضی ہوا، یا سرخ تل والا یہاں نہ ملا تو ہم پھر آئیں گے مسٹر گرین، اس بات کو لکھ لو۔"

"اس کے ملنے یا نہ ملنے کی گارنٹی بھلا میں کس طرح دے سکتا ہوں۔"

"اچھا خیر ۔ پتا تو فرضی نہیں ہے نا؟"

"بالکل نہیں۔" اس نے پُرزور انداز میں کہا۔

"شکریہ!"

وہ جانے کے لیے مڑے ہی تھے کہ تینوں کو ایک زبردست دھکا لگا ۔ تینوں پر پندرہ کے قریب غنڈے اچانک حملہ آور ہوئے تھے ۔

شاباش! بہت اچھے موقعے پر آئے ۔ پیس کر رکھ دو انھیں۔" مارک گرین نے چلا کر کہا۔

وہ ان کے چاروں طرف پھیل گئے ۔ محمود نے اپنا پستول ان پر تان دیا اور فائر کرتے ہوئے بولا:

"لو بھئی ۔ تم بھی کیا یاد کرو گے ۔ اتنا مزے دار پستول ہے کہ بس ۔ کیا بتاؤں۔"

بجلی کی لہریں پستول سے نکلتی چلی گئیں اور وہ چیخ مار مار کر گرتے چلے گئے ۔ صرف چند سیکنڈ میں میدان صاف تھا، ادھر گرنے والوں کا مارے حیرت کے برا حال تھا:

"ہاں تو مسٹر گرین ۔ یہ بات لکھ لیں ۔ اگر اس پتے پر سرخ تل والا نہ ملا تو ہم پھر آئیں گے اور آپ سے یہ بات پوچھی جائے گی کہ وہ ہمیں کہاں مل سکے گا۔" محمود نے غرّا کر کہا ۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ نکلتے چلے گئے ۔ ہوٹل سے باہر نکل کر کار میں بیٹھے اور نیلم گڑھ پہنچے ۔ خاور بلاک تلاش کرنے میں انھیں کوئی دقت نہ ہوئی، لیکن ۹۰۴ نمبر کہیں بھی نہیں تھا ۔ پورے خاور بلاک میں چھ سو سے اوپر نمبر تھا ہی نہیں ۔

"اس کا مطلب ہے ۔ مارک گرین نے ہمیں دھوکا دیا۔" محمود نے غصے میں آ کر کہا۔

"اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔" فاروق بولا۔

"انکل آزاد۔ فوراً اس کی گرفتاری کا بندوبست کریں۔" فرزانہ بولی۔

"وہ اب وہاں کہاں ملے گا۔" محمود اداس انداز میں مسکرایا۔

"یہ ضروری نہیں۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

وہ ہوٹل بولیمار پہنچے اور بے دھڑک اندر داخل ہو گئے لیکن یہی بے احتیاطی انھیں لے بیٹھی۔

سُرخ تل

"خان رحمان اور پروفیسر صاحب۔ آپ نے باغ میں کچھ محسوس کیا؟"

"ہم نے۔ نہیں بھئی۔ ہم نے تو ابھی تک کچھ محسوس نہیں کیا۔" خان رحمان نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"لیکن میں بہت کچھ دیکھ چکا ہوں۔ میں چور کے اندر داخل ہونے کا طریقہ اور راستا جان چکا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"سراغ رساں ہو نا۔ اس لیے۔" پروفیسر داؤد نے شرما کر کہا۔

"آئیے میں آپ کو بھی دکھاؤں، لیکن مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ آخر اس کوٹھی میں ہوتا کیا کچھ رہا ہے۔ اور شیخ خالد ابرار صاحب بالکل بے خبر رہے ہیں۔"

"جمشید! کیا تم اپنے اصول سے ہٹ نہیں رہے اس مرتبہ۔" خان رحمان بول اُٹھے۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم نے شیخ صاحب کو شک سے بری کیوں کر دیا — یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ کیا دھرا ان کا ہو — وہ خود دشمن ملک کے جاسوس ہوں اور یہ تہ خانہ اور سرنگ وغیرہ خود انھوں نے بنوائے ہوں — تاکہ کبھی پول کھل جائے تو بھی ان پر کوئی شک نہ کرے، یہی خیال کیا جائے کہ ان کی کوٹھی میں جاسوسی کرنے کا کام کوئی اور کرتا رہا ہے۔"

"ہاں خان رحمان! یہ عین ممکن ہے — لیکن میں اس بات کو بھولا نہیں — یہ میرا سب سے پہلا اصول ہے کہ کسی بھی شخص کو شک سے بری نہ سمجھو۔"

"خیر — تم ہمیں کیا دکھا رہے تھے؟" پروفیسر داؤد جلدی سے بولے۔

"آپ نے اس باغ کی چار دیواری کو غور سے دیکھا؟"

"اس قدر غور سے نہیں دیکھا — خیر — اب دیکھ لیتے ہیں۔"

خان رحمان مسکرائے، دونوں نے پوری چار دیواری کو بغور دیکھا، لیکن پھر نفی میں سر ہلا دیا:

"نہیں جمشید! ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ تم ہمیں کیا دکھانا چاہتے ہو۔"

"تو پھر سنیے — چار دیواری کے ساتھ اس درخت کو دیکھو — درخت دیوار کے بالکل ساتھ ہے — چار دیواری بہت اونچی ہے لیکن اس درخت کے ذریعے دیوار پر چڑھنا ذرا بھی مشکل نہیں، کیونکہ درخت بھی اس قسم کا ہے کہ اس پر پاؤں آسانی سے جم سکتے ہیں — اس قسم کے درختوں پر تو موٹے بچے چڑھ جاتے ہیں۔"

"اوہ — اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"لیکن جمشید — اس قدر اونچی چار دیواری سے اس طرف کودنا بھی تو آسان کام نہیں اور پھر کودنے سے آواز بھی پیدا ہوتی ہے۔"

"ہاں! ضرور ہوتی ہے اور عام لوگ اتنی اونچائی سے نہیں کود سکتے، لیکن عادی مجرم کود سکتے ہیں اور اگر ان کے پیروں میں ربڑ سول کے جوتے ہوں تو اتنی آواز بھی پیدا نہیں ہو سکتی — اس لیے بھی کہ باغ میں کافی موٹی گھاس لگی ہے، لیکن میں تو آپ کو ایک اور بات کہنے لگا تھا۔"

"چلو تو پھر وہ بھی کہہ دو۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"آپ نے واقعی چار دیواری کو بغور نہیں دیکھا — اب اس سرے کی طرف دیکھیے — وہاں بھی ایک اسی قسم کا درخت موجود ہے — اور یہ درخت اندر کی طرف ہے — اب چور کو صرف اتنا کرنا ہے کہ باہر والے درخت کے ذریعے

دیوار پر چڑھ جائے اور دیوار پر چلتا ہوا اس دوسرے درخت تک پہنچ جائے، پھر نیچے اترنے کے لیے اسے کودنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔"

"اوہ ۔ یہ تو باقاعدہ چور کے لیے سیڑھی بنائی گئی ہے۔" پروفیسر داؤد بولے ۔

"جی ہاں! چور کے استقبال کی باقاعدہ تیاری کی گئی ہے، ایسے میں اگر کوئی چور اندر آ کر کوئی انگوٹھی وغیرہ اڑا کر لے جائے تو یہ کوئی عجیب بات تو نہیں ہو گی۔"

"ہوں! اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ چور کوئی باہر کا آدمی ہے ۔ جب کہ ہم اسے اندر ڈھونڈ رہے تھے۔"

"ایک چور باہر کا ہے ۔ دوسرا اندر کا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن ملازمین میں سے تم کسی کو بھی نہیں پکڑ سکے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے ۔ اب یا تو اندر والا چور حد سے زیادہ چالاک ہے ۔ یا پھر ان میں سے کوئی نہیں ہے اور ہمارے اندازے بالکل غلط ہیں ۔ خیر دیکھیں گے ۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کے بارے میں ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہو سکا ۔ کہاں ہیں، کیا کر رہے ہیں ۔ کیوں نہ ذرا ان کی خبر لے لیں۔"

"چلو لے لیتے ہیں ان کی خبر۔" خان رحمان نے کندھے اچکائے

ایک بار پھر چڑھا ہوا

تھا ۔

"ہم معافی چاہتے ہیں بیگم ۔ اور ہاں! محمود، فاروق اور فرزانہ کی کوئی خبر۔"

"وہ آپ سے کسی طرح پیچھے تو نہیں ہیں۔" انھوں نے جلے کٹے انداز میں کہا ۔

"گویا تمھیں ان کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے ۔ خیر میں پتا کرتا ہوں۔"

انھوں نے ادھر ادھر فون کرنا شروع کیے ۔ آخر دفتر سے پتا چلا، محمد حسین آزاد کو ساتھ لے کر ہوٹل بولیمار گئے ہیں ۔

"ہائیں! وہاں تو ہم بھی گئے تھے۔" پروفیسر بولے ۔

"لیکن ہم واپس آ گئے ۔ وزیر خارجہ بھی وہاں سے آ چکے ہیں، وہ کیوں نہیں آئے؟"

"اس کا صاف مطلب ہے، وہ الجھ گئے ہیں ۔ آئیے چلیں ۔ ہمیں فوراً وہاں پہنچنا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، اسی وقت بیگم جمشید کھانے کی ٹرے اٹھائے صحن میں آئیں ۔

"ہائیں! یہ کیا ۔ آپ پھر چل دیے۔"

"معاف کرنا بیگم، ہم جیسے مجبور بھی کوئی نہیں ہوں گے۔"

"یا اللہ رحم!" انھوں نے کہا اور برے برے منہ بناتی باورچی خانے کی طرف چلی گئیں ۔

آندھی اور طوفان کی طرح کار چلاتے وُہ ہوٹل بولیمار تک پہنچے ۔ ہال میں انھیں محمود، فاروق اور فرزانہ کہیں نظر نہیں آئے ۔ اور نہ محمد حسین آزاد ۔

"وُہ تو یہاں نظر نہیں آ رہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"ہو سکتا ہے، اندر کہیں ہوں۔"

"میں معلوم کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وُہ کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئے ۔

"محمود، فاروق اور فرزانہ کو پہچانتے ہیں آپ؟" وُہ کاؤنٹر پر موجود ملازمین سے بولے۔

"جی ۔ آپ کون سے محمود، فاروق اور فرزانہ کی بات کر رہے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے، آپ لوگ تو مجھے بھی نہیں جانتے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی نہیں ۔ پہلی بار دیکھ رہے ہیں آپ کو۔ ویسے ہم زیادہ پرانے ملازم نہیں ہیں ۔ کیا آپ اس ہوٹل کے مالک ہیں، لیکن نہیں ۔ وہ تو اس مُلک میں ہی نہیں ہیں۔"

"یہ سُن کر خوشی ہوئی کہ وُہ اس مُلک میں نہیں رہتے ۔ اس اطلاع کا بھی شکریہ ۔ اور کچھ کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

بس سے ایک نے

کہا ۔

"کچھ اپنے بارے میں فرمائیے ۔ آپ کا کیا نام ہے؟"

"میں ۔ جی میں کالے خان ہوں۔"

"چلو مان لیا کہ آپ کالے خان ہیں، اپنا سابقہ نام بتا دیں۔" انسپکٹر جمشید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"سابقہ نام ۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ پہلے آپ کا یہ نام نہیں تھا ۔ اگر آپ نہیں بتائیں گے تو میں بتا دوں گا۔"

"دیکھیے ۔ آپ مہربانی فرما کر اپنے کام سے کام رکھیے۔"

"یہی تو کر رہا ہوں مسٹر شیکا۔"

"شش ۔ شیکا۔" وُہ ہکلایا۔

"ہاں! یہی تو آپ کا پُرانا نام ہے ۔ کئی بار کے سزا یافتہ ہیں، دو مرتبہ تو میرے ہاتھوں بھی گرفتار ہوئے تھے اور اتفاق سے میں اس وقت میک اَپ میں بھی نہیں ہوں، لہٰذا آپ کا یہ کہنا غلط تھا کہ آپ محمود، فاروق اور فرزانہ کو نہیں جانتے ۔ اب میں پھر اپنا سوال دہراتا ہوں ۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کو پہچانتے ہیں؟"

"ہاں۔" اس نے کہا۔

"وُہ یہاں موجود ہیں؟"

"اندرے نائب مینجر کے کمرے میں گئے تھے۔ اب تک لوٹ کر نہیں آئے۔"

"شکریہ! ہمیں ان کے کمرے تک لے چلیں۔"

"آئیے۔" اس نے کہا۔

اس کے ساتھ چلتے وہ ایک دُور دراز کے کمرے تک پہنچے، کالے خان نے دروازے پر دستک دی:

"کون؟"

"میں سر- کالے خان — میرے ساتھ"

انسپکٹر جمشید نے فوراً اس کے منہ پر رکھ دیا۔

"ہاں! تمھارے ساتھ کیا؟"

"کچھ مہمان ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی آواز منہ سے نکالی۔

دروازہ کھُل گیا اور وہ یک دم اندر داخل ہو گئے:

"یہ- یہ- یہ کیا کالے خان! یہ تم کن لوگوں کو لے آئے؟"

"جی! مَیں کیا کر سکتا ہوں۔" اس نے گڑبڑا کر کہا۔

"آپ خود ان سے بات کر لیں۔" اس نے کہا۔

"کیا بات ہے انسپکٹر جمشید صاحب۔" مارک گرین نے چلّا کر کہا۔

"یہ بات تو آپ اس سے بھی پوچھ سکتے تھے۔" اس نے کالے خان کی طرف اشارہ کیا۔

"پہلے ان سے ہی تو پُوچھا تھا اور ان کا بیان یہ ہے کہ محمود، فاروق اور فرزانہ آپ کے پاس ہونے چاہییں۔"

"وہ یہاں آئے تھے۔ کچھ سوالات کیے اور چلے گئے۔"

"کیسے سوالات؟"

"کسی سُرخ تل والے کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔"

"تو پھر؟" وہ چونک اٹھے۔

"مجھے معلوم ہی نہیں تھا تو بتاتا کیا۔"

"لیکن مسٹر مارک گرین! میں آپ کی باتوں پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"کیوں — کیا مطلب؟"

"محمود، فاروق اور فرزانہ اگر کسی جگہ سے خیریت سے لوٹتے ہیں تو وہاں اپنی کوئی چیز کبھی نہیں گراتے، لیکن اگر کسی جگہ ان کے ساتھ کوئی زیادتی ہو اور غائب کر دیے جانے کا خطرہ ہو تو اپنی موجودگی کا ثبوت ضرور چھوڑتے ہیں۔" یہ کہتے وقت انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" اس نے تلملا کر کہا۔

انسپکٹر جمشید فرش پر جھکے اور اس کی میز کے نیچے سے

ایک ننھا سا سنہری کلپ اٹھا کر اس کی آنکھوں کے سامنے جلایا:

"یہ کلپ میری بچی کا ہے۔ مجھے مسٹر مارک۔"

"میں نے کہا نا۔ وہ لوگ آئے تھے۔ سوالات پوچھ کر چلے گئے۔"

"اور میں نے بھی کہا نا کہ وہ یہاں سے نہیں گئے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہاں سے یہ کلپ نہ ملتا۔"

"یہ کوئی ایسی بات نہیں جسے ہمارے خلاف عدالت میں پیش کیا جا سکے۔" اس نے جل کر کہا۔

"مجھے آپ کو عدالت میں پیش کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ ویسے میں آپ کا جرم ثابت کیے بغیر آپ کو یہاں سے نہیں لے جاؤں گا۔"

"تب پھر آپ کو اجازت ہے، شوق سے تلاشی لے لیں۔"

"ضرور کیوں نہیں! ہم ایسا ضرور کریں گے۔"

انھوں نے فون کر کے اپنے خاص ماتحتوں کو بلایا۔ اور انھیں ہدایات دیں۔ تلاشی کا کام شروع ہو گیا۔ انسپکٹر جمشید خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی اپنے حصے کی تلاشی لے رہے تھے۔ ایک گھنٹے بعد تلاشی مکمل ہو گئی، لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ کا کہیں سراغ نہ ملا:

[illegible] بھرائی ہوئی آواز میں

بولے۔

"شاید میرے آدمیوں سے کوئی چوک ہو گئی۔ اب ان کے حصے کی تلاشی بھی مجھے لینا پڑے گی۔"

"لیکن اس میں تو دو گھنٹے سے بھی زیادہ وقت لگ جائے گا۔" خان رحمان نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہاں! وقت تو ضرور لگ جائے گا، لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ اگر محمود، فاروق اور فرزانہ ان کی قید میں ہیں اور ہم برآمد نہیں کر پاتے تو یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں ہو گی۔"

"ہوں! واقعی۔"

اور پھر انھوں نے نئے سرے سے کوشش شروع کی۔ اس کوشش میں سادہ لباس والوں سے مدد نہیں لی گئی۔ وہ الگ کھڑے رہے، تاہم مارے پریشانی کے ان کا برا حال تھا، کیونکہ اگر انسپکٹر جمشید انھیں تلاش کر لیتے تو یہ بات ان کے لیے حد درجے شرمندگی کی بات ہوتی۔

پورے دو گھنٹے کی محنت کے بعد آخر انسپکٹر جمشید ایک تہ خانے کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ اور پھر مارک گرین کو ساتھ لے کر۔ کچھ ذمے دار لوگوں کو ساتھ لے کر وہ اس تہ خانے میں اتر گئے۔

تہ خانے کے فرش پر تینوں بندھے پڑے تھے۔

تینوں ہوش میں ہی تھے، انھیں دیکھ کر مسکرائے، لیکن بول کچھ نہ سکے، کیونکہ منہ پر ٹیپ چپکا دی گئی تھی، انسپکٹر جمشید نے سب سے پہلے ٹیپ اُتاری۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔ میری زبان سخت مشکل میں تھی، اتنی دیر تک حرکت نہ کرنا اس کے لیے حد درجے تکلیف دہ تجربہ ثابت ہوا ہے۔"

"لیکن ہمارے لیے یہ تجربہ انوکھا رہا، اتنی دیر ہم تمھاری زبان سے محفوظ رہے۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"پہلے یہ بتاؤ! تم یہاں تک پہنچے کس طرح؟"

"جی بس ایسے ہی آ گئے تھے۔ اور پھر ہم جوتے خانے میں گھس گئے، وہاں مارک گرین صاحب ہم سے اُلجھ پڑے۔ حالانکہ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ ادھر ہم نے بھی پروفیسر انکل کا دیا ہوا پستول نکال لیا۔ ہم نے ان پر قابو پا لیا اور ان سے اگلوا لیا کہ یہ سُرخ تل والے کو جانتے ہیں، لیکن پھر ہم ان کی چال کا شکار ہو گئے، کیونکہ انھوں

ما۔ آپ نہ آ جاتے تو

نہ جانے ہمارا کیا بنتا۔"

"وضاحت کرو بھئی۔ انھوں نے کیا چال چلی؟"

"مارک گرین نے ہمیں سُرخ تل والے کا ایک پتا بتایا تھا، ہم وہاں پہنچے تو پتا بالکل غلط ثابت ہوا۔ واپس آئے تو وہ ہمارے لیے جال تیار کر چکے تھے۔"

"ہوں! خیر۔ اب یہ ہمارے جال سے کیسے نکل سکے گا۔ ہم بھی ان حضرت کو دفتر لے کر جائیں گے اور کمرۂ امتحان کی سیر کرائیں گے۔"

"خوبصورت پروگرام ہے۔"

مارک گرین کو دفتر کے کمرۂ امتحان میں لایا گیا، وہاں کے آلات دیکھ کر ہی وہ دہشت زدہ ہو گیا:

"یہ۔ یہ۔ یہ کیا ہے؟"

"سچ اگلوانے کی مشینیں۔"

"تو آپ کے خیال میں مَیں نے جھوٹ بولا تھا۔"

"ہاں! وہاں ۹۰۴ نمبر مکان ہے ہی نہیں۔"

"میں بھول گیا ہوں گا۔ دراصل نمبر ۴۰۹ ہے۔ غلطی سے اُلٹ بول گیا۔" اس نے کہا۔

"دیکھو دوست! ہم ۴۰۹ کو بھی چیک کر لیتے ہیں، لیکن اگر وہاں بھی سُرخ تل والا نہ ملا تو؟" انسپکٹر جمشید سرد آواز

میں بولے۔

" اس نے مجھے بھی پتا بتایا تھا۔ اب اگر اس نے غلط بتایا تھا تو میں کیا کر سکوں گا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

" سچ ضرور بول سکیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے خشک لہجے میں کہا۔

" آپ پہلے ۴۰۹ کو چیک کر لیں، اس سے پہلے آپ مجھ پر سختی نہیں کر سکتے۔"

" ہاں! یہ بات تو خیر ٹھیک ہے۔ لیکن یہ بات بھی کان کھول کر سن لو۔ وہاں سرخ تل والا نہ ملا، یا یہ بات ثا نہ ہو سکی کہ وہاں سرخ تل والا رہتا ہے تو پھر انجام بہت بھیانک ہوگا۔ اس صورت میں ہم تمھاری ایک بات بھی نہیں سنیں گے۔"

" بالکل ٹھیک۔" اس نے کہا۔

اسی وقت محمود، فاروق اور فرزانہ کو ۴۰۹ کی طرف بھیجا گیا۔ نمبر تلاش کرنے میں انھیں کوئی دقت نہ ہوئی۔ دروازے پر تالا بھی نہیں تھا؛ چنانچہ محمود نے دستک دی۔ جلد ہی قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اور پھر ایک ادھیڑ عمر کی عورت کا چہرہ دکھائی دیا، وہ چہرہ کافی اداس تھا:

" کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

" یہاں ایک صاحب رہتے ہیں، ان کی ناک کی نوک پر سرخ تل موجود ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے نا؟"

" ہاں! ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔

" کیا کہا۔ ٹھیک ہے۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

" ہاں! کیوں۔ کیا ہوا؟" عورت نے حیران ہو کر پوچھا۔

" ہمیں دراصل اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا۔"

" خود ہی تو کہہ رہے تھے۔ یہاں سرخ تل والا رہتا ہے نا۔ اور میرے کہنے پر حیران ہو رہے ہیں۔" عورت نے منہ بنا کر کہا۔

" کچھ ایسی ہی بات ہے ماں جی۔ بہرحال ہمیں ان صاحب سے ملنا ہے۔"

" ابھی اسے لے کر آتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اندر چلی گئی۔

جلد ہی وہ ایک دیو قامت آدمی کے ساتھ باہر آئی۔ ان کی ناک پر سرخ تل بھی موجود تھا۔ وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ حلیہ سو فی صد وہی تھا۔ آخر محمود نے کہا:

" آپ کا نام کیا ہے بھئی؟"

" میرا نام۔ جی میرا نام ریاض مجید ہے۔" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

ہے۔"

"آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"لیکن کہاں؟"

"پولیس اسٹیشن۔"

"کک۔کیوں۔میں نے کیا کیا ہے؟" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"ایک معاملے کی تصدیق کرنا ہے۔امید ہے، آپ قانون کی مدد کریں گے۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"قانون کی مدد کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔چلیے میں چل رہا ہوں۔" اس نے کہا۔

اور وہ حیرت زدہ سے اسے ساتھ لے کر دفتر کی طرف روانہ ہوئے۔

کیس کا انجام

دیو قامت اور سرخ تل والے کو دیکھ کر بڑی پارٹی کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئیں، اس شخص کی تلاش کے سلسلے میں انہیں کافی پریشانی اٹھانا پڑی تھی۔

"تو یہ حضرت مل گئے ہیں؟"

"جی ہاں! مل تو گئے ہیں، لیکن مشکل ایک اور آ پڑی ہے۔اور وہ یہ کہ یہ ہمارے ساتھ نہایت شرافت سے آ گئے ہیں، نہ تو انہوں نے فرار ہونے کی کوشش کی، نہ لڑائی جھگڑا کیا، بس یہ کہہ کر ہمارے ساتھ آ گئے کہ قانون کی مدد کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔"

"تو پھر! اس میں مشکل کیا ہے۔" خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

"اس میں مشکل یہ ہے کہ ہمیں ان سے اس قدر شرافت کی امید ہرگز نہیں تھی۔" فاروق مسکرایا۔

"اچھا اب تم اپنی اِدھر اُدھر کی باتوں کو رہنے دو اور ہمیں ان سے بیان لینے دو۔"

"معاملہ کیا ہے جناب؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ کا نام کیا ہے جناب؟"

"جی۔ ریاض مجید!"

"آپ ہوٹل بولیمار جاتے رہتے ہیں؟"

"جی ہاں! جاتا رہتا ہوں۔"

"کیا کرنے کے لیے۔ جُوا کھیلنے؟" انسپکٹر جمشید کا لہجہ سرد ہو گیا۔

"جُوا۔ توبہ توبہ، میرا جُوئے سے کیا کام جناب۔ دو وقت کی روٹی مِل جائے، بہت ہے۔ میں مچھلی فروخت کرنے کا کام کرتا ہوں، ہوٹل بولیمار والوں کو مچھلی سپلائی کرتا ہوں، اسی طرح دو چار اور ہوٹلوں کو بھی مچھلی سپلائی کرتا ہوں۔ میرا یہی کاروبار ہے۔ ان ہوٹلوں کا مجھ سے یہ معاہدہ ہے کہ وہ مچھلی کسی اور سے نہیں خریدیں گے اور میری شرط یہ ہے کہ میرے علاوہ کسی اور سے نہیں خریدیں گے۔"

"ان دوسرے ہوٹلوں کے نام۔ جن کو آپ مچھلی دیتے ہیں؟"

"...نہ، ہوٹل مون لائٹ۔"

"بس! یہ چار ہوٹل۔"

"جی ہاں! روزانہ ان چاروں کو مچھلی سپلائی کرنا میرا کام ہے۔"

"اور آپ مچھلی خریدتے کہاں سے ہیں؟"

"میں نے مچھلی پکڑنے کا لائسنس لے رکھا ہے، تین چار مچھیرے ملازم رکھے ہوئے ہیں جی۔"

محمود اس کا بیان ساتھ ساتھ نوٹ کر رہا تھا۔

"محمد حسین آزاد۔ تھانہ پُرانی حویلی کے اس نگران کو یہاں لے آؤ۔ جو زہر دینے کے الزام میں گرفتار ہے۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور چلا گیا۔

"مسٹر ریاض مجید۔ آپ شیخ خالد ابرار کو جانتے ہیں؟"

"جی! شیخ خالد ابرار۔ میں اس نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتا۔" اس نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

"اچھا یہ دیکھیے۔ اس انگوٹھی کو پہچانتے ہیں؟"

اس نے انگوٹھی کو حیران ہو کر ہاتھ میں لیا اور دیکھنے لگا:

"میں نے اس انگوٹھی کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"ہوں! اب بنک کے اس ملازم کو بھی بلانا پڑے گا۔" کہہ کر انھوں نے ایک چٹ پر ہدایات لکھ کر ایک سادہ لباس والے کو دی۔ وہ بھی چلا گیا۔

" اب میں آپ کو بتاتا ہوں۔ شیخ خالد ابرار ہمارے ملک کے وزیرِ خارجہ ہیں۔"

" اوہ! میرا ان سے بھلا کیا واسطہ۔"

" آپ کبھی ان کی کوٹھی بھی نہیں گئے؟"

" جی نہیں۔ بالکل نہیں۔"

" اب ہمیں کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا۔"

" میں ابھی تک سمجھ نہیں سکا کہ معاملہ کیا ہے۔"

" یا تو آپ ہر بات کو اچھی طرح سمجھ رہے ہیں یا پھر واقعی کوئی بات نہیں جانتے۔"

" پتا نہیں۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

انسپکٹر جمشید کچھ نہ بولے۔ خاموشی سے اسے دیکھتے رہے، آخر محمد حسین آزاد تھانے کے نگران کو لے کر اندر آیا، جونہی اس کی نظر سرخ تل والے پر پڑی۔ وہ چلا اٹھا:

" اوہ! وہ یہی تھا۔"

" کیا مطلب۔ یہی تھا؟" اس نے چونک کر کہا۔

" اس میں شک کی کوئی بات نہیں جناب۔ ان دونوں قیدیوں کو زہر یہی شخص دلوانا چاہتا تھا۔ مجھے رشوت اس

" یا اللہ رحم! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔" وہ بوکھلا اٹھا۔

" مسٹر ریاض مجید تھوڑی دیر مزید انتظار کریں۔ ان شاء اللہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

" پتا نہیں۔ کیا چکر ہے۔ کیا آپ مجھے کسی معاملے میں پھانسنا چاہتے ہیں؟"

" میں چاہتا نہیں، لیکن اگر تم نے جرم کیا تو پھر میں ضرور پھانسنے پر مجبور ہوں گا۔"

" مجھے پوری بات تو بتائیں۔"

" ابھی نہیں۔"

آخر سادہ لباس والا بنک کے ملازم کو بھی لے آیا۔ اس وقت تک وہ سیدھے ہو کر آرام سے بیٹھ چکے تھے۔ [illegible] ملازم اندر داخل ہوا تو اس کی نظریں پہلے ریاض مجید پر پڑیں۔ انسپکٹر جمشید نے اس سے کہا:

" اس طرف دیکھیے۔"

" ارے! وہ اچھل پڑا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں:

" یہ۔ یہ۔ یہ تو وہی ہے۔"

" پتا نہیں کیا چکر ہے۔" ریاض مجید بڑبڑایا۔

" ایک طرف مضبوط گواہ موجود ہیں کہ یہ حضرت وہی ہیں

بلکہ بالکل وہی ہیں، دوسری طرف یہ صاحب بالکل انجان بن رہے ہیں ۔ آخر ہم کریں تو کیا۔" فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

"صورتِ حال واقعی عجیب ہے، خیر میں پہلے ان کے اطمینان کے لیے انھیں ساری بات بتا دیتا ہوں ۔ اس کے بعد ہم ان سے دو باتیں کریں گے۔"

یہ کہ کر انسپکٹر جمشید نے اسے بتا دیا کہ وہ کیوں اس کی تلاش میں تھے ۔ ان کے خاموش ہونے پر وہ بولا:

"یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے. جیسے میں نے کوئی طلسمِ ہوشربا سُنی ہو۔"

"تو آپ یہی کہنا چاہتے ہیں، ان تمام معاملات میں آپ کسی طرح بھی ملوث نہیں ہیں؟"

"ہاں میں یہی کہتا ہوں۔"

"اب ہم آپ کے بیان کی تصدیق کریں گے۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

"لیکن کیسے کریں گے؟" اس نے بے چین ہو کر کہا۔

"یہ ہمارا کام ہے ۔ آپ فی الحال حوالات میں رہیں گے ۔ اگر ہمارا اطمینان ہو گیا تو ٹھیک ۔ ورنہ ہم آپ

"اللہ اپنا رحم فرمائے ۔ یہ میں بیٹھے بٹھائے کس مصیبت میں پھنس گیا۔"

"پہلی بار بیٹھے بٹھائے پھنسے ہیں، اس لیے عجیب لگ رہا ہے ۔ ہمیں دیکھیے ۔ روز ہی بیٹھے بٹھائے پھنستے رہتے ہیں۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"پتا نہیں، آپ کیا کہ رہے ہیں ۔ کم از کم آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"شکریہ بھئی! بالکل یہی شکایت ان سے ہمیں بھی ہے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"جی کیا مطلب؟"

"بس آپ مطلب پوچھنے کے چکر میں نہ پڑیں ۔ ورنہ مطلب ہی پوچھتے رہ جائیں گے۔"

"محمد حسین! انھیں حوالات میں بند کر دو۔"

یہ کہ کر انسپکٹر جمشید اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ انھوں نے ریاض مجید کے بارے میں سادہ لباس والوں کو ہدایات دیں اور گھر آ گئے ۔

"آپ کا اپنا کیا خیال ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے ۔ یہ شخص بالکل بے گناہ ہے، لیکن اگر یہ شخص وہی ہے ۔ جس نے یہ سب کچھ کیا ہے تو پھر اس

ہے بڑا اداکار میری نظر نہیں گزرا ہوگا۔"

"اگر یہ شخص وُہ نہیں ہے تو پھر اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کسی نے اس کے میک اَپ میں یہ سارے کام کیے ہیں اور کام کرنے کے بعد میک اَپ اتار دیا ہے۔ تاکہ اس کی بجائے پکڑا جائے تو صرف یہ۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں بالکل! میں اسی لائن پر سوچ رہا ہوں، لیکن پہلے ہم اس کے بیان کی تصدیق کریں گے۔"

"تصدیق کے بعد آپ اس کی نگرانی بھی کروا سکتے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"ضرورت محسوس کی تو ایسا بھی کرایا جائے گا۔"

"اور جہاں تک ہم جانتے ہیں، آپ اسے کمرۂ امتحان میں نہیں لے جائیں گے۔" محمود مسکرایا۔

"ہاں! کمرۂ امتحان میں میں صرف اس وقت لے جاتا ہوں، جب مجھے کسی کے جرم میں کوئی شبہ نہ رہ جائے، لیکن وُہ اگلنے پر تیار نہ ہو۔"

"ہوں۔ اس کا مطلب ہے۔ اس مرتبہ تو اطمینان سے کھانا کھا ہی سکیں گے۔" فاروق نے مسکرا کر اپنی والدہ کی طرف ... ان کی طرف آ رہی

تھیں۔

"مشکل ہے۔ بلکہ بہت مشکل۔" وُہ بولیں۔

"مشکلات کو آسان کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! یہ تو ہے۔"

ابھی انھوں نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی:

"دیکھا! میں نے کہا تھا نا۔" بیگم جمشید نے بھنا کر کہا۔

"لل۔ لیکن امی جان! اس میں ہمارا کیا قصور۔"

اُدھر انسپکٹر جمشید نے ریسیور اُٹھا لیا اور بولے:

"انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

وُہ دُوسری طرف کی بات سنتے رہے، پھر ہوں اچھا کہ کر ریسیور رکھ دیا:

"تم لوگوں نے تمام متعلقہ آدمیوں کے فون ٹیپ کرائے تھے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی ہاں! کیا کوئی اطلاع ملی ہے؟"

"میرا خیال ہے۔ تم اس مرتبہ مجھے پیچھے چھوڑ گئے ہو۔ مطلب یہ کہ کامیابی اس بار تمھارے حصے میں آ گئی ہے۔"

"یہ - یہ آپ کیا کر رہے ہیں ابا جان"، تینوں ایک ساتھ بولے۔

خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"ہاں! ایک فون نوٹ کیا گیا ہے - متعلقہ آدمیوں میں سے ایک نے کسی کو یہ پیغام دیا ہے کہ وہ شدید خطرہ محسوس کر رہا ہے - اور یہ کہ اس کے بچاؤ کا انتظام فوراً سے پہلے کر لیا جائے۔"

"اور وہ آواز - میرا مطلب ہے - آواز ریکارڈ کر لی گئی ہے؟"

"ہاں! اور اس کیس میں شاید یہ پہلی غلطی اس سے سرزد ہوئی ہے۔" انھوں نے پُر جوش انداز میں کہا۔

"وہ مارا" تینوں ایک ساتھ چلائے۔

"ہم ابھی اور اسی وقت وہ آواز سننے جا رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور - اور کھانا؟ بیگم جمشید چلائیں۔

"بس بیگم - اب یہ کیس ختم ہوا چاہتا ہے - اب ہم فارغ ہونے کے فوراً بعد یہاں آئیں گے اور ڈٹ کر ... ونے میں زیادہ دیر

نہیں لگے گی۔"

"مجھے ایک فی صد امید نہیں۔" بیگم بولیں۔

"کس بات کی - زیادہ دیر نہ لگنے کی۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں! بلکہ اس بات کی کہ فارغ ہونے کے بعد بھی آپ اطمینان سے کھانا کھا سکیں گے - اس وقت بھی کوئی فون آ ٹپکے گا اور آپ یہی کہتے ہوئے دوڑ پڑیں گے کہ ہم بس ابھی آئے۔" انھوں نے جل بھن کر کہا۔

"تب پھر اس کا ایک ہی حل ہے - آپ ہمیں سفری کھانا تیار کر دیا کریں - جونہی ہمیں کہیں جانا پڑے - ہم کھانا ساتھ لے جائیں۔" فرزانہ نے ترکیب بتائی۔

"اب شاید یہی کرنا ہوگا۔" وہ بولیں۔

"تو پھر تم اس کی تیاری کرو - ہم ذرا ادھر سے فارغ ہو آئیں۔"

وہ باہر نکل کر گاڑی میں بیٹھے اور ٹیلی فون ایکسچینج کی طرف روانہ ہوئے۔

"حیرت ہے، اس قدر چالاک مجرم اس چال میں کس طرح آ گیا۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"اس نے سوچا ہوگا، اس کی چالاکی کے پیشِ نظر ہم

اس رُخ سے کوشش نہیں کریں گے۔" فرزانہ بولی۔

" اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔" خان رحمان نے کندھے اچکائے۔

ٹیلی فون دفتر پہنچ کر انھوں نے اس آواز کو سُنا، جس نمبر سے فون کیا گیا تھا، وہ نمبر بھی انھوں نے نوٹ کر لیا اور پھر سادہ لباس والوں کی ڈیوٹیاں لگا کر گھر آ گئے، ایسے میں انسپکٹر جمشید نے بیگم سے کہا:

" اس وقت، ہم اِن شاء اللہ پورے اطمینان سے کھانا کھائیں گے، کیونکہ مجرم اب ہمارے جال میں ہے۔"

" یقین نہیں آرہا۔"

" ابھی آ جائے گا۔"

وہ کھانا کھانے لگے۔ کھانا کھانے کے بعد بھی کہیں جانے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید بولے:

" آپ کیا خیال ہے بیگم؟"

" میں تو اسے ایک عدد اتفاق ہی کہوں گی۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھا لیا اور دوسری طرف کا پیغام سُننے لگے، پھر اچانک [illegible] ا۔ آخر وہ بولے:

" بہت خوب اکرام جاری رہے۔ ہم اپنا کام شروع کرتے ہیں۔ ہاں! اکرام ٹھیک ہے۔ وہیں ملاقات ہو گی۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے ریسیور رکھ دیا اور اُٹھتے ہوئے بولے:

" کیس اپنے انجام کو پہنچا چاہتا ہے۔ آیئے آخری ضرب لگائیں۔"

" آخری ضرب۔ بھئی واہ! یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" فاروق بولا۔

" ہو سکتا ہوگا۔ ہم نے ناولوں کی دکان نہیں کھول رکھی، نہ ہم میں سے کوئی مصنف ہے۔" فرزانہ جل گئی۔

" مصنفوں کے لیے مواد تو مہیا کرتے ہیں۔" فاروق بھی تلملا کر بولا۔

" بھئی واہ! اچھا جواب ہے۔" پروفیسر داؤد نے خوش ہو کر کہا۔

جلد ہی وہ شیخ خالد ابرار کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے، گھنٹی کے جواب میں ملازم نے دروازہ کھولا:

" شیخ صاحب کو اطلاع دیں۔"

" جی بہتر!" ملازم انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلا

گیا۔

دو منٹ بعد شیخ صاحب اندر داخل ہوئے :

"خیر تو ہے انسپکٹر صاحب"؟ وہ بولے۔

"آپ کا کیس حل ہو گیا۔ عرصہ دراز پہلے شروع کی جانے والی ایک سازش آخر اپنے انجام کو پہنچ گئی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب میں ابھی بتاؤں گا۔ آپ سب لوگوں کو یہاں بلا لیں۔ بلکہ کچھ اور لوگوں کو بھی۔ یہ میں نے ان کے نام چٹ پر لکھ دیے ہیں۔"

انھوں نے چٹ لے کر نام پڑھے اور پھر حیرت زدہ انداز میں انھیں باری باری فون کرنے لگے۔ ایک گھنٹے بعد شیخ خالد ابرار کے کمرے میں نہ صرف گھر کے سب افراد جمع تھے، بلکہ جاسا اینڈ کو کا مالک، پرانا ملازم غیاث دین، بنک کا وہ کلرک جس کے پاس سرخ تل والا انگوٹھی بھول گیا تھا، سرخ تل والا شخص جس کا نام ریاض مجید تھا وغیرہ۔ اور پھر چٹ پر لکھ کر دیے گئے تمام افراد وہاں جمع تھے ۔

"انسپکٹر صاحب! سب لوگ جمع ہو چکے۔ اب فرمائیے۔ اور سب کو یہاں جمع کرنے کی آخر کیا ضرورت تھی؟"

"جی ضرور ۔ یہ وضاحت کرنے کے لیے ہی تو سب کو جمع کیا گیا ہے ۔ یہ کہانی ۔ میرا مطلب ہے، سازش کی کہانی دراصل اس وقت شروع ہوئی، جب شیخ خالد صاحب نے یہ کوٹھی بنوانا شروع کی۔ کہنے کو تو یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ سازش اس سے بھی پہلے شروع ہو چکی تھی، لیکن اس نے اصل رنگ اس وقت سے اختیار کیا جب یہ کوٹھی بنانے کا پروگرام بنا۔ اور سازش یہ تھی کہ وزیرِ خارجہ صاحب کے ہر پروگرام اور ہر اہم ملاقات کی پوری تفصیل ہمارے دشمن ملک شارجستان کو معلوم ہوتی رہی۔ دشمن ملک نے بھانپ لیا تھا کہ آج جو شخص وزارتِ خارجہ کا سیکرٹری ہے۔ اس میں اس قدر قابلیتیں ہیں کہ وہ کل ملک کا وزیرِ خارجہ ہو گا، لہذا سازش کا جال اسی وقت تیار کر لیا گیا۔ اور جال بچھایا جانے لگا۔ شیخ صاحب پہلے پرانی حویلی میں رہتے تھے، پھر ان کی بیوی وفات پا گئیں اور کچھ عرصہ بعد انھوں نے دوسری شادی کر لی۔ پرانی حویلی میں پہلی بیوی کی یادیں بکھری ہوئی تھیں لہذا انھوں نے ایک نئی کوٹھی بنانے کا پروگرام

ترتیب دیا، ادھر سازشی ذہن اپنا کام کرنے کے
لیے بالکل تیار ہو گیا۔ جب شیخ صاحب نے جاسا
اینڈ کو سے معاہدہ کر لیا تو سازشی ذہن نے بھی جاسا
اینڈ کو سے ایک علاحدہ معاہدہ کیا۔ چونکہ جاسا اینڈ کو
غیر مسلموں کی کمپنی ہے، اس لیے مسلمانوں کے خلاف
ایسا کام کرنے سے انھوں نے بالکل انکار نہ کیا،
بلکہ ذمے داری قبول کر لی اور اس طرح وہ سرنگ
اور تہ خانہ تعمیر کیے گئے۔ کوٹھی کے گرد جو چاردیواری
بنائی گئی، اس کے باہر اور اندر اس طرح درخت
لگائے گئے کہ ان کے ذریعے جب جی چاہے، آسانی
سے باغ تک پہنچا جا سکے۔ اور اپنی ضرورت پوری
کی جا سکے۔ اس ضرورت کی طرف میں ابھی روشنی
ڈالوں گا۔

شیخ صاحب نے اپنے بیٹے کی آمد پر ایک دعوت
کا انتظام کیا، لیکن اس انتظام کے پردے میں
دراصل کچھ ملکوں کے وزرائے خارجہ سے خفیہ ملاقات
کرنے کا پروگرام تھا۔ شیخ صاحب بہت عرصے
سے یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کے پروگراموں سے
شو [illegible] تک کو دُور

کرنے کے لیے انھوں نے اس دعوت کے موقعے
پر میری خدمات حاصل کر لیں اور اپنے خیالات
بھی مجھے بتا دیے، میں نے پہلے اندر کی تلاشی لی،
پھر ہر آنے والے مہمان کو تلاشی کے بعد اندر داخل
ہونے دیا۔ ادھر مجرموں نے ایک شان دار چال
چلی۔ ان کا خیال تھا کہ کہیں میں ان کے اندرونی
نظام تک نہ پہنچ جاؤں۔ لہٰذا انھوں نے ہمیں دھوکا
دینے کے لیے میٹنگ کی گفت گو سننے کے لیے ایک
بھونڈا سا انتظام کر ڈالا، مقصد یہ تھا کہ ہم اس انتظام
کا خاتمہ کر کے مطمئن ہو جائیں گے اور وہ مزے سے
پوری کارروائی ٹیپ کرتے رہیں گے اور سرنگ کے
ذریعے نو دو گیارہ ہو جائیں گے۔ لیکن ان کے پروگرام
میں پہلی گڑبڑ اس وقت ہوئی۔ جب محمود، فاروق
اور فرزانہ تہ خانے اور تہ خانے سے سرنگ تک پہنچ
گئے۔ اور وہاں ان کا ٹکراؤ یوگو اور ماجد سے ہو گیا،
خیر ان دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ کوٹھی کے نیچے تہ خانہ
اور سرنگ کس طرح بن گئے، جب کہ شیخ صاحب نے
یہ نہیں بنوائے تھے، اس سلسلے میں ہمیں جاسا اینڈ کو

سے رابطہ قائم کرنا پڑا، کیونکہ یہ کوٹھی اس کمپنی نے بنائی تھی۔

جاسا اینڈ کو سے یہ عجیب بات معلوم ہوئی کہ انھیں ایک نامعلوم آدمی نے ایک بڑی رقم دی تھی، صرف اس کام کے لیے کہ وہ اس کوٹھی کے نیچے ایک عدد تہ خانہ اور تہ خانے سے ملتی ہوئی ایک سرنگ بنا دیں گے جو کہ قریب کی ایک آسیب زدہ عمارت میں جا نکلے گی۔ جاسا اینڈ کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اسے تو پیسے سے غرض تھی۔ سو اس نے یہ کام کرا دیا۔ گویا اتنے عرصہ پہلے یہاں جاسوسی کے دروازے کھول دیے گئے۔" یہاں تک کہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"افسوس! صد افسوس۔ میں نے آپ کو پہلے کیوں نہ بلایا۔" شیخ خالد ابرار نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"انسان مجبور ہے، آپ نے اس بات کو محسوس ہی اب کیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ابھی تک آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آخر یہ سارا کام کرانے والا تھا کون؟"

 اس سلسلے میں ہمیں

بہت بھاگ دوڑ کرنا پڑی، دراصل مجرم نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے شروع سے ہی ایسے انتظامات کر رکھے تھے کہ بھول کر بھی ہم نے اس کے بارے میں نہیں سوچا۔ اگرچہ یہ چیز ہمارے اصول کے بالکل خلاف ہے، لیکن اس مرتبہ یہ اصول بھی ہم بھول گئے۔ ہمیں یاد نہ رہ گیا کہ سب پر شک کرنا ہمارا پہلا اصول ہے، پھر اچانک یہ جملہ سامنے آیا اور میں نے ذہن دوڑانا شروع کیا کہ اب تک میں نے کس شخص کو شک کی زد میں نہیں لیا۔ یہ سوچتے ہی شیخ خالد ابرار کا نام میرے ذہن میں آ گیا۔ ہم نے اس مرتبہ واقعی کیس کے سب سے اہم آدمی کو شک کی نظر سے دیکھا تک نہیں تھا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"کک۔ کیا مطلب؟" کئی لوگ بری طرح ہکلائے۔ شیخ خالد ابرار تو انسپکٹر جمشید کو تیز نظروں سے گھورنے لگے اور پھر بول اٹھے:

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"ہم نے جائزہ لینا شروع کیا کہ کیا یہ کام آپ کا ہو سکتا تھا۔ ہیرے کی انگوٹھی یاد آئی۔ اور میرا شک پختہ ہونے لگا۔ آپ کے لیے یہ سب کام حد درجے آسان تھا، اپنی کوٹھی میں جاسا اینڈ کو کے ذریعے تہ خانہ اور سرنگ بنوانا

جس قدر آسان تھا، اس قدر آسان کسی دوسرے کے لیے نہیں ہو سکتا تھا۔"

"نہیں! آپ نے بالکل غلط اندازہ لگایا ہے، اس معاملے سے میرا ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔" شیخ صاحب نے بھنّا کر کہا۔

"سُنتے جائیے جنابِ والا - آپ کو بھی ہر بات کہنے کا پُورا پُورا موقع دیا جائے گا۔"

"اُف میرے مالک - تت - تت تو کیا جمشید۔" پروفیسر داؤد اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکے۔

"پہلے مجھے بات مکمل کر لینے دیجیے - ادھر میں، خان رحمان اور پروفیسر داؤد اپنی تفتیش میں مصروف تھے، ادھر محمود، فاروق اور فرزانہ اپنی کوشش میں لگے ہوئے تھے - انھوں نے ایک بالکل نئی چال چلی - یہ کہ محکمہ ٹیلی فون کے ذریعے ان تمام لوگوں کے فون ٹیپ کروا دیے - جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح اس کیس سے تھا - دراصل ہمیں تلاش تھی اس سُرخ تل والے کی - کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ سُرخ تل والے نے مرکزی کردار ادا کیا ہے اور یہ بات وہ فوراً بتا سکتا ہے کہ کوٹھی کے نیچے سرنگ اور تہ خانہ کس نے زہر کس نے دلوایا تھا۔

لیکن سرخ تل والا کسی طرح بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ کوشش کے بعد بھی، ہم کسی کے خلاف کوئی ثبوت حاصل نہیں کر سکے تھے اور ایسے کیس ہماری زندگیوں میں حد درجے کم آئے تھے - ورنہ ہم لوگ تو ثبوت کی بھر مار کر دیتے تھے - لیکن پھر آخر کار مجرم سے زبردست غلطی ہو ہی گئی - دراصل اس کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ ان کا فون نمبر بھی ٹیپ کروایا جا سکتا ہے - ان کا تو خیال تھا کہ وہ بالکل محفوظ ہیں - ان پر کسی کو شک ہو ہی نہیں سکتا - اگر وہ ہماری سمجھ کے مطابق کوئی ذرا بھی حرکت نہ کرتا تو اس بار کا مجرم پکڑنے میں ہمیں دانتوں پسینہ آ جاتا۔" انھوں نے روانی کے عالم میں کہا۔

"گویا اِدھر اس نے فون کیا، اُدھر وہ قابو میں آ گیا۔"

"مم - میں نے کسی کو ایسا فون نہیں کیا۔" انھوں نے کر کہا -

"وہ فون ٹیپ کیا گیا ہے جنابِ عالی - ایکس چینج نے وہ فون نمبر بھی ریکارڈ کیا ہے جس سے فون کیا گیا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"نہیں، پھر وہ فون سنوایا جائے۔" شیخ صاحب بولے

"مزے کی بات یہ ہے کہ دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز بھی صاف پہچان لی گئی ہے۔"

"اوہ!" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اور وہ اس شخص کی آواز ہے۔ جس نے سرخ تل والے کا کردار ادا کیا ہے۔ اس کا قد و قامت ضرور لمبا چوڑا ہے، لیکن اس کی ناک کی نوک پر سرخ تل نہیں ہے۔ اس غریب مچھلی فروش کو دیکھ کر وہ میک اپ کیا گیا تھا تاکہ اگر کبھی کوئی پھنسے بھی تو وہ۔ اصل آدمی کی گرد کو بھی کوئی نہ پہنچ سکے۔ اور اس لحاظ سے یہ ایک مکمل ترین منصوبہ تھا، اگر ہم اس سارے منصوبے میں سے اس فون کال کو نکال دیں تو مجرم تک نہیں پہنچا جا سکتا۔"

"ہوں! واقعی اس لحاظ سے یہ ایک خاص کیس ہے۔ اب مہربانی فرما کر آپ وہ فون سنائیں۔" شیخ خالد نے جل کر کہا۔

"شاید آپ کو مجھ پر غصہ آ رہا ہے، لیکن جناب آپ یہ نہ بھولیے کہ آپ نے خود ہی مجھے یہاں بلایا تھا، اس میں میرا کیا قصور۔" وہ بولے۔

"میں نے قصور نہیں پوچھا۔ فون پر ہونے والی گفت گو

"جی بہتر! اکرام۔ ٹیپ ریکارڈر آن کرو۔ پروفیسر صاحب، آواز کو بڑا کرنے والا آلہ اس سے منسلک کر دیں۔"

"یہ انتظام پہلے ہی کر لیا گیا ہے۔"

"اس سے پہلے کہ میں ٹیپ آن کراؤں۔ ایک بات اور بتا دوں۔"

"چلیے، وہ بھی بتا دیں۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"سرخ تل والے کا روپ دھارنے والے کے لیے یہ آسانی بھی پیدا کی گئی تھی کہ وہ رات کے وقت جب چاہے، کوٹھی میں داخل ہو سکے اور اپنے ساتھی سے ملاقات کر سکے۔"

"اب مجھے یہ افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے آپ کو کیوں بلایا تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ میں حیرت زدہ ہوں، آپ اس قدر مشہور کس طرح ہو گئے۔ آپ میں تو سراغ رسانوں والی ایک بات بھی نہیں۔" شیخ خالد ابرار نے تلملا کر کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ مجھے سراغ رسانی کی الف بے بھی نہیں آتی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے شیخ صاحب کہ علم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ آپ اتنے مشہور کیسے ہو گئے؟" انھوں نے کہا۔

"انسے ہم صرف اور صرف اللہ کی مرضی کر سکتے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"خیر- آپ وہ گفت گو سنائیں اور بات ختم کریں، اگر میں مجرم ہوں تو پھر مجھے سزا ملنی چاہیے۔"

"اوکے سر۔ اکرام۔ سوئچ آن کر دو۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور حکم کی تعمیل کی۔

چند لمحے کی سرسر کے بعد آواز ابھری:

"ہیلو- ہیلو- نمبر دو- میں بہت بڑا خطرہ مول لے کر تمہیں فون کر رہی ہوں۔ گزشتہ رات تم سے ملاقات طے تھی- اس میں چند بہت اہم دستاویز تمہارے حوالے کرنا تھیں، لیکن پروگرام کے مطابق تم نہیں آئے۔ میں اب خود کو انتہائی خطرے میں محسوس کرنے لگی ہوں۔ انسپکٹر جمشید کی نظروں سے بچنا محال محسوس ہو رہا ہے۔ اتنے عرصے تک اس قدر کامیابی سے آپریشن کرنے کے بعد میں اب خود کو بے بس اور بے یار و مددگار محسوس کر رہی ہوں۔ تم سن رہے ہو؟"

"ہاں نمبر ون- میں سن رہا ہوں اور میرے اپنے بھی یہی خیالات ہیں- اب سے پہلے کبھی انسپکٹر جمشید ہمارے راستے پر نہیں لگا تھا- یہ پہلا موقع ہے۔"

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"تم آج رات آؤ- مل کر کوئی پروگرام بناتے ہیں- یا پھر اپنے چیف سے رابطہ قائم کریں گے- ہم چیف پر واضح کر دیں گے کہ اب ہم اس دشمن ملک میں خود کو بالکل غیر محفوظ محسوس کر رہے ہیں اور اگر ہم یہاں سے اڑنچھو نہ ہو گئے تو ہم گئے کام سے۔"

"ٹھیک ہے- میں آج رات وقتِ مقررہ پر آؤں گا- اور ہم اپنے پروگرام کو آخری شکل دیں گے۔"

"شکریہ!"

ریسیور رکھنے کی آواز سنائی دی۔

"لیکن انسپکٹر صاحب- ان آوازوں میں میری آواز تو نہیں ہے۔" شیخ خالد ابرار نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آپ نے شاید اسی لیے توجہ نہیں دی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"توجہ نہیں دی- کیا مطلب؟"

"آوازوں پر توجہ- کہ آپ کی آواز تو آپ کو سنائی ہی نہیں دی۔"

"ہاں تو پھر۔"

"ایک بار پھر آوازیں سنیے اور یہ جاننے کی کوشش کیجیے کہ

آوازیں کس کی ہیں؟"

یہ کہہ کر انھوں نے اشارہ کیا، ٹیپ ریکارڈر پھر سے آن کیا گیا۔ اب جو انھوں نے آوازوں پر دھیان دیا تو ان کا رنگ یک لخت اُڑ گیا۔ وُہ کانپ کر بولے:

"میرے اللہ! یہ ۔ یہ آواز تو رضوانہ کی ہے۔"

"ہاں جناب! آپ نے ٹھیک پہچانا۔ یہ آواز آپ کی بیگم رضوانہ کی ہے اور دُوسری آواز مارک گرین کی ۔ یعنی ہوٹل بولیمار کے نائب مینجر کی۔ یہ دونوں شارجستان کے جاسوس ہیں۔ رضوانہ کو آپ کے دفتر میں صرف اور صرف جاسوسی کے لیے ملازم کرایا گیا تھا۔ اس دوران آپ کی بیوی فوت ہو گئیں ۔ آپ ان کی خوب صُورتی سے متاثر ہو چکے تھے، لہذا انھیں شادی کا پیغام دے ڈالا، یہ گھبرا گئیں، کیونکہ یہ تو دشمن مُلک کی جاسوسہ تھیں اور اپنی ڈیوٹی انجام دے رہی تھیں ۔ انھوں نے فوراً اپنے بڑوں سے پوچھا۔ ادھر سے فوراً اشارہ ملا کہ شادی کر لی جائے، اس طرح تو اور بھی جاسوسی کے مواقع ملیں گے؛ چنانچہ شادی ہو گئی اور جب شادی کے بعد نئی کوٹھی بنوانے لوگوں کے لیے

حد درجے سُنہری موقع ثابت ہوا، جاسا اینڈ کو سے رابطہ قائم کیا گیا اور اس طرح یہ سب کچھ ہوا۔ میرا خیال ہے، اب آپ کو کوئی شک نہیں رہ گیا ہو گا۔ اور اگر ایک فی صد بھی شک باقی ہے تو میں نے اسی لیے مارک گرین کو نہیں بلایا تھا۔ تاکہ ہم سب اسے اپنی آنکھوں سے کوٹھی میں داخل ہوتے اور پھر رضوانہ صاحبہ کے کمرے کی طرف آتے دیکھ لیں، اور جب رضوانہ آج اس تک نہیں پہنچے گی تو وُہ ضرور انھیں آوازیں بھی دے گی ۔ یہ آوازیں بھی ریکارڈ کی جائیں گی اور پھر ٹیپ ریکارڈر کی ان آوازوں سے ملا کر دیکھ لیا جائے گا ۔ کہیے کیا خیال ہے؟"

وُہ کیا خیال ظاہر کرتے، ان کی تو عقل دنگ رہ گئی تھی۔

"رضوانہ! تم اپنی صفائی میں کچھ کہو گی؟" شیخ صاحب نے دُکھ بھرے لہجے میں کہا۔

اس کے منہ سے کوئی جواب نہ نکل سکا۔ اس قدر مکمل ثبوت کی موجودگی میں اب وُہ کیا کہتی۔

اور پھر رات کے وقت انھوں نے درخت کے ذریعے مارک گرین کو آتے اور اترتے دیکھا۔ پھر وُہ اندر چلا آیا۔

اور ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ آخر کمرے کے دروازے پر آ کر آہستہ آواز میں پکارا:

"رضوانہ! میں آ چکا ہوں، تم کہاں ہو؟"

انسپکٹر جمشید کے اشارے پر رضوانہ کمرے کے اندر داخل ہوئی:

"ہاں! رضوانہ! اب بتاؤ۔ تمہیں انسپکٹر جمشید کی طرف سے کیا خطرہ ہے؟"

"یہ بات تمہیں، ہم بتا دیتے ہیں بھئی۔" محمود نے اندر داخل ہوتے کہا۔

وہ اس قدر زور سے اچھلا کہ دھڑام سے گر ہی گیا۔ اور پھر اکرام کے ماتحتوں نے اسے قابو کر لیا۔ اس کے چہرے پر حیرت کا ایک ایسا سمندر نظر آیا جو موجیں بھی مار رہا تھا۔

"اسے کہتے ہیں، کیس کا تیا پانچہ ہونا۔" فاروق کی آواز ابھری۔

"ہاں بھئی۔ اب تمہاری باری ہے۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"پتا نہیں۔ کیا بات ہے۔ جب ہماری باری آتی ہے تو کیس ختم ہو جاتا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"جیسی روح ویسے فرشتے۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا، لیکن ہاتھ جان بوجھ کر ترچھا مارا، جو فاروق کی ران کا مزاج پوچھ گیا۔ اس نے تلملا کر کہا:

"اس قدر کچے نشانے والے اچھے جاسوس نہیں ہو سکتے، لہٰذا ٹائیں ٹائیں فش۔"

پتا نہیں یہاں ٹائیں ٹائیں فش کا کیا موقع تھا، بہرحال انہیں مسکرانا تو پڑ ہی گیا۔

ایک نادر کتاب

امیرِ عزیمت
مولانا حق نواز شہیدؒ

شائع ہو گئی ہے

○ آپ کے ادارے سے جاری کردہ پہلی خوب صورت ترین کتاب ۔
○ مضبوط جلد والی ۔ چار رنگا گرد پوش سرورق ۔
○ بہترین سفید کاغذ
○ عمدہ کتابت
○ صفحات ۳۲۰
○ سائز ۱۶/ ۳۶ x ۲۳
○ اس شخص کی داستان جس نے صحابہ کرامؓ کی عظمت بیان کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا

○ صحابہؓ کے دشمن اس کی جان کے دشمن بن گئے ۔
○ انھوں نے اس کے خلاف مقدمات بنائے ، اس پر قاتلانہ حملے کیے ، بارہا اسے گرفتار کرایا ، جیلوں میں ٹھنسوایا ۔ مگر وہ اپنے عزم سے باز نہ آیا ۔
○ اسے قدم قدم پر دھمکیاں دی گئیں ، جینا حرام کرنے کی سازشیں کی گئیں ۔
○ اس نے صرف ۳۸ سال عمر پائی ، ۳۸ سال میں سے بھی اس کی زندگی کا زیادہ تر حصّہ جیلوں میں گزرا ۔
○ ایک ایسے آدمی کی کہانی جو جیل سے نکلا تو استقبال کرنے والوں نے اس کی کار کو کندھوں پر اُٹھا لیا ۔ آپ نے لیڈروں کو کندھوں پر سوار کرتے تو دیکھا ہوگا ، جس کار میں لیڈر بیٹھا ہو ، اس کار کو کندھوں پر اُٹھاتے کسی کو نہ دیکھا ہوگا ۔
○ جب اس نے آواز بلند کی تو کوئی اس کی آواز میں آواز ملانے کے لیے تیار نہ ہوا ۔
○ وہ پندرہ سال تک اس میدان میں اکیلا ہی ڈٹا رہا ۔ یہاں تک کہ اس ملک کے نوجوان اس کے گرد جمع ہونے لگے ۔
○ وہ جوش لے کر اُٹھا تھا ۔ اس کی صدائیں پورے ملک میں گونجنے لگیں ۔

○ لیکن پھر۔ اس کے دشمنوں نے اسے شہید کر دیا۔
○ اسے کس طرح شہید کیا گیا ۔ تمام حالات اور واقعات تفصیل سے تحریر کیے گئے ہیں ۔
○ مؤلف نے اس کی زندگی کے ہر پہلو پر بات کی ہے ۔ اس کی زندگی کی ہر کہانی سنانے کی کوشش کی ہے ۔
○ ایک ایسی آواز کی کہانی جسے قتل تو کر دیا گیا، لیکن وہ آواز آج بھی پورے ملک میں گونج رہی ہے اور اس گونج کا دائرہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔
○ پہلی فرصت میں یہ نادر کتاب حاصل کرنے کی کوشش کریں ۔

کتاب حاصل کرنے کے پتے :

۱۔ اشتیاق پبلی کیشنز، ۱۲/۹ نصیر آباد، سانده کلاں، لاہور فون: ۲۲۱۵۳۷
۲۔ اشتیاق احمد، بازار لوہاراں، جھنگ صدر فون: ۲۲۹۵
۳۔ مولانا محمد الیاس بالاکوٹی، جامعہ عثمانیہ، سٹیلائٹ ٹاؤن، جھنگ
۴۔ محمد حسین برادرز، فریئر مارکیٹ، کراچی فون: ۲۲۹۵۵۷
۵۔ رفیق مغل، اخبار مارکیٹ، ہسپتال روڈ، لاہور فون: ۵۸۲۴۹
۶۔ اشرف نیوز ایجنسی، اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی
۷۔ شمع بک سٹال، جھوانہ بازار، فیصل آباد فون: ۶۱۳۴۴۹
۸۔ آصف کتاب گھر، فوارہ چوک، جھنگ صدر فون: ۲۲۸۰

۔ آپ مندرجہ بالا پہلے تین پتوں

کیسا فائدہ

○ اس ماہ آپ نے "سانپ کی آستین"، "امیرِ عزیمت مولانا حق نواز شہیدؒ"، "پُرخوف فتنہ"، "بگ باس"، "پھانسی گھر"، "موناش + جیرال" اور "دسمبر ۹۰ء کا چاند ستارے" پڑھے ۔
○ آیندہ ماہ آپ خاص نمبر "سمندر کی آگ" قیمت ۴۸/۰۰ روپے، "شہر کی طاقت" قیمت ۱۶/۰۰ روپے اور "جنوری ۹۱ء کا چاند ستارے" قیمت ۱۰/۰۰ روپے پڑھیں گے ۔
○ ان تمام مطبوعات کی کل قیمت ۷۴/۰۰ روپے بنتی ہے ۔
○ آپ صرف اور صرف ۵۴/۰۰ روپے ارسال کر کے یہ کتب گھر بیٹھے حاصل کر سکتے ہیں ۔
○ اس طرح آپ پورے ۲۰/۰۰ روپے بچا سکتے ہیں ۔
○ آپ منی آرڈر، پوسٹل آرڈر، بنک ڈرافٹ اور ڈاک ٹکٹ درج ذیل پتے پر ارسال کریں :

اشتیاق احمد

ڈی ۶ / ۸ سٹلائٹ ٹاؤن، جھنگ

- انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کو معلوم نہیں تھا کہ انھیں

- جہاز کے پائلٹوں کو ضرور معلوم تھا۔
- انھیں ایک گمنام وادی میں اتار دیا گیا، اس وادی کے گرد عمودی پہاڑ تھے۔
- نکلنے کا کوئی راستا نہیں تھا۔
- ان سب باتوں کے علاوہ ان کے سروں پر ایک پُراسرار پرندہ بھی موجود تھا۔
- دشمن کا پروگرام یہ تھا کہ آپ کے محبوب کردار اس خوفناک
- دلدل سے نکل نہ پائیں۔
- اور واقعی: نکلنے کا کوئی راستا وہاں نہیں تھا۔
- پھر کیا کردار اس وادی سے نکل سکے؟
- انسپکٹر کامران مرزا پارٹی بھی قریب قریب انھی حالات کا شکار تھی۔ ان کے چاروں طرف رکاوٹیں ہی رکاوٹیں تھیں۔
- انسپکٹر کامران مرزا، آفتاب، آصف اور فرحت اس ہوٹل میں کیا کر رہے تھے۔
- ہوٹل میں ایک آدمی سے ان کی پُراسرار ملاقات۔
- کیا وہ غلط فہمی کا شکار تھا۔ یا کوئی اور بات تھی۔
- ہوٹل شمران۔
- ایک ریاست کے کنارے ایک بہت بڑا صحرا۔
- کچھ لوگ ریاست سے صحرا خریدنا چاہتے تھے۔

- صحرا خریدنے کے لیے انھوں نے ریاست کا تختہ اُلٹ دیا۔
- ایک شہزادی کی شوکی برادرز کے دفتر میں آمد۔
- شہزادی انھیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی۔
- شوکی برادرز عجیب چکر میں۔
- اور پھر جب سی مون ان کے سامنے آیا۔
- جمال قاسم اور عدنان تمری۔ دو متضاد تصویریں۔
- ایسے لوگوں کی کہانی جو اپنا سب کچھ لٹا کر بھی دوسروں کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔
- اور ایسے لوگوں کی بھی جو اپنا سب کچھ بچانے کے لیے ملک اور قوم کا سودا کر بیٹھتے ہیں۔
- دونوں بڑی پارٹیوں کو جال میں پھانسنے والا کون تھا۔
- اس موقعے پر ان کے سامنے جی موف آیا۔
- ایک انوکھے صحرا کی کہانی۔
- اس کی ریت دن میں آگ کی مانند گرم ہو جاتی تھی اور رات کو برف سے بھی زیادہ سرد۔
- نہ دن میں کوئی اس میں قدم رکھ سکتا تھا اور نہ رات میں۔

بم نہیں جما سکتا تھا۔

- دشمن اس صحرا کو کیوں خریدنا چاہتے تھے۔
- ریت کے اس سمندر میں کیا ہو رہا تھا۔
- تجربے پر تجربے کیے گئے۔ انھیں پروفیسر داؤد کی خدمات حاصل کرنا پڑیں۔
- کیا آپ کے کردار صحرا میں قدم رکھ سکے۔ دشمن کے اڈے تک پہنچ سکے۔
- دشمن کا ہیڈکوارٹر ان کی نظروں سے بالکل اوجھل تھا۔ دشمن جب چاہتا، اس کی جھلک دکھا دیتا تھا اور جب چاہتا، اسے چھپا لیتا تھا۔
- وہ ایسا کس طرح کرتا تھا۔
- آپ ساکت رہ جائیں گے۔
- پُراسرار چنگاریوں کا راز کیا تھا۔
- جب چار بڑے مجرم ان کے سامنے آئے تو ان پر کیا بیتی۔
- سی مون، جی موف، زولان اور جیرال اس بار پوری تیاریوں پر تھے۔
- اور انھیں نیست و نابود کر دینے پر تل گئے تھے۔
- انھیں ان سے کن حالات میں جنگ لڑنا پڑی۔
- اس ساری سازش کے پیچھے کن کا ہاتھ تھا۔ وہ کیا کرنا

چاہتے تھے۔

- ○ شروع سے آخر تک آپ کا مارے سسپنس کے بُرا حال رہے گا۔
- ○ اس قسم کی صورتِ حال والا ناول آپ نے شاید زندگی میں پہلے کبھی نہیں پڑھا ہو گا۔
- ○ آپ کے سانس اُوپر کے اُوپر اور نیچے کے نیچے رہ جائیں گے۔
- ○ منور علی خان کس وقت آپ کے کرداروں میں شامل ہوئے، آپ کو ان کی شمولیت اس مرتبہ بہت بھائے گی۔
- ○ انھوں نے اپنے آنکڑے سے خوب کام لیے۔ آپ کھل اُٹھیں گے۔
- ○ آخر میں انسپکٹر جمشید پارٹی، انسپکٹر کامران مرزا پارٹی اور شوکی برادرز پر کیا بیتی۔ چار بڑے دشمنوں کا پلّہ بھاری رہا یا ان کا۔
- ○ آخری لڑائیاں آپ کو پلک نہیں جھپکنے دیں گی۔
- ○ فتح اور شکست کے لحاظ سے بھی یہ ناول انوکھا ترین ثابت ہو گا۔
- ○ آخر تک آپ سسپنس کا شکار رہیں گے۔
- ○ آج ہی اپنی کاپی بُک کرالیں۔ کہیں "دفن شدہ شہر" کی طرح

آیندہ ناول کی ایک جھلک

انسپکٹر ارسلان سیریز ۵۸

۲۰ دسمبر کو پڑھیے — قیمت ۱۶/۰۰ روپے

ناول نمبر ۶۱

شہر کی طاقت

مصنف: آفتاب احمد

- ● انسپکٹر ارسلان کی عملی زندگی کا آغاز۔
- ● پندرہ سال پہلے کے انسپکٹر ارسلان سے ملیے۔
- ● انھیں ایک مجرم کی فائل دی گئی اور کہا گیا کہ یہ تمہارے ذمے پہلا عملی کام ہے۔ انھیں محکمہ سراغ رسانی میں آئے ابھی ایک ہفتہ ہی گزرا تھا۔
- ● کیا وہ مجرم کو گرفتار کر سکے؟ مجرم کون تھا؟

- جام پور میں اندھا ظلم ہو رہا تھا ، ایک شخص کے اشارے پر سب ناچ رہے تھے ۔
- شہر میں سے باہر کوئی خبر نہیں جا رہی تھی ، انسپکٹر ارسلان تک خبر کیسے پہنچی ؟
- انسپکٹر ارسلان بادشاہ کے رُوپ میں ۔
- زیڈ سے ملیے ۔ انسپکٹر ارسلان پوری طاقت سے بھی اس کا گلا نہ دبا سکے ۔ توقیر کو کہنا پڑا ، کیا یہ ربڑ کا انسان ہے ۔
- جس کے اشارے پر ظلم ہو رہا تھا ، اس کے پیچھے ایک عظیم طاقت تھی ۔ اس طاقت سے آج کل بڑے بڑے کانپتے ہیں وہ طاقت کون ہے ؟
- وہ دو ماہ تک ایک جزیرے پر قید رہے ۔ انھیں کس نے قید کیا تھا ؟
- ائیر اچانک انھیں دھوکا دے گیا ۔
- ایک شہر کی کہانی یا ایک پورے مُلک کی کہانی ۔
- دشمن کرنسی کے طوفان نے جام پور کو اپنی پیٹ میں لے لیا تھا ۔
- کہیں یہ کہانی ہمارے مُلک کی تو نہیں ہے ؟
- ہمارے مُلک کی ہے ؟ اچھا ! تو پھر ہوش کیجیے ۔ تخریب کار کا سر جو دیجیے ۔

جائیں گے ـــ

- ملیریا اور کونین ـــــــــــ ایک طبی مضمون ـــ
- عقل بڑی کہ... ـــــــــــ نئے لکھنے والوں کے لیے بہترین کہانی ـــ
- آنکھ کی واپسی ـــــــــــ آفتاب احمد کا ایک اور ناولٹ ـــ

● ان کے علاوہ درج ذیل کہانیاں، نظمیں، مضامین اور مستقل سلسلے شامل ہیں:
ایک آیت ایک حدیث ـــ دو باتیں ـــ حمد ـــ نعت ـــ حکمت کے موتی ـــ چند باتیں سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی ـــ احمق ـــ مولانا عبدالعزیز محدث دہلویؒ ـــ حضرت علی ہجویریؒ ـــ ان دیکھے دوست ـــ چالاک مجرم ـــ اہلِ سبا ـــ سب سے بڑا پرندہ ـــ کردار کے غازی ـــ جاسوس بنیے ـــ دوستی بانٹیے ـــ آسیب ـــ قاہرہ ـــ سوسنار کی ـــ کیسے کیسے یہ نامے ـــ اب مسکرایئے بھی ـــ سالگرہ مبارک ـــ حرکت میں برکت ہے ـــ اچھا کیا یا برا ـــ دوزخیوں کا حال ـــ اے میرے وطن ـــ

● **آپ** نے ملاحظہ فرمایا۔ دسمبر ۹۰ء کے چاند ستارے میں آپ کے لیے کس قدر دلچسپیاں ہیں ـــ خوب صورت اور دیدہ زیب سرورق ـــ ضخامت ۴۴ صفحات ـــ سائز ۱۶/ ۳۶ x ۲۳

● **آج** ہی دسمبر ۹۰ء کا چاند ستارے اپنے ہاکر سے طلب فرمائیں یا بک سٹال سے خریدیں یا پھر براہِ راست ادارے سے منگوائیں ـــ

قیمت فی شمارہ ۱۰/۰۰ روپے

 رجسٹری ۱۵۰/۰۰ روپے

بھارت کے خلاف بچّوں کا محاذ

اس بات کو کون نہیں جانتا کہ بھارت ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ آج کل کشمیر کی جنگِ آزادی کی وجہ سے پاک بھارت کشیدگی میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے اس صورتحال میں ہمیں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہیئے جسکا فائدہ براہِ راست یا بالواسطہ بھارت کو پہنچے ہمیں اپنے پورے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے بھارت اور بھارتی اشیا کی مخالفت کرنی چاہیے۔ اگر کسی ملک کو تباہ کرنا ہو تو پہلے اس کی زبان اور ثقافت میں زہر گھول کر پلایا جاتا ہے۔ جس طرح پاکستانیوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ انڈین لٹریچر، آڈیو اور ویڈیو فلمیں ہمارے ملک میں اس تیزی سے فروخت ہوتی ہیں جیسے کہ بھارت میں بھی نہیں ہوتی ہوں گی۔ ان بھارتی فلموں کی وجہ سے ہمارے اپنے ملک کی فلمیں یعنی پاکستانی فلمیں پاکستان ہی میں کامیاب نہیں ہوتی ہیں۔ اور جب پاکستان ہی میں کامیاب نہیں ہونگی تو باہر کیسے ہوں گی۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے ملک کی چیزوں کو اہمیت دیں جب انڈیا والے CRUSH PAKISTAN کا نعرہ لگا سکتے ہیں تو ہم بھی CRUSH INDIA کا نعرہ لگا سکتے ہیں بلکہ کر بھی سکتے ہیں اس سلسلے میں ہمارا پہلا قدم بھارتی فلموں اور کیسٹوں اور تمام بھارتی اشیا کا اپنے ملک سے خاتمہ کرنا ہے۔ اگر ہمیں گانے سننے اور فلمیں دیکھنے کا شوق ہے تو پاکستانی فلمیں اور گانے موجود ہیں وہ روپیہ جو ہم بھارتی فلموں اور کیسٹوں پر خرچ کرتے ہیں اس سے ہمیں اپنے کشمیری بہنوں اور بھائیوں کی مدد کرنی چاہیئے جو مقبوضہ علاقے میں اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اگر آپ پاکستان کو آزاد اور آباد دیکھنا چاہتے ہیں تو براہِ مہربانی ہماری مہم میں شریک ہو کر بھارتی اشیا کا بائیکاٹ کریں کشمیری مجاہدین کی مدد کریں اور بھارتی تجارت کو ختم کرنے میں تعاون کریں

آپ سے التجا ہے کہ بھارتی گانے سُننا اور فلمیں دیکھنا چھوڑ دیں!

ایف جی گرلز پبلک ہائی سکول ایبٹ آباد

آیندہ کتاب کی ایک جھلک

پُراسرار قوتیں

مصنف: ڈاکٹر سعید مُختار

- ہر انسان میں کچھ پُراسرار قوتیں موجود ہیں —
- آپ میں بھی —
- لیکن آپ نہیں جانتے، وہ پُراسرار قوتیں کیا ہیں۔
- اور نہ آپ یہ جانتے ہیں کہ ان قوتوں کو کس طرح ابھارا جا سکتا ہے —
- اور نہ آپ یہ جانتے ہیں کہ ان قوتوں سے کام کس طرح لیا جا سکتا ہے —

- اور نہ آپ یہ جانتے ہیں کہ ان قوتوں سے کیا کیا کام لیے جا سکتے ہیں —
- لیکن یہ کتاب پڑھنے کے بعد آپ سب کچھ جان جائیں گے —
- اور پھر جب آپ ان قوتوں سے حیرت انگیز کام لیں گے تو آپ حیران رہ جائیں گے۔ کہ آپ میں کیا کیا کچھ بھرا پڑا ہے —
- ایک اچھوتی کتاب —
- اس قسم کی کتاب اُردو میں آج تک شائع نہیں ہوئی —
- ڈاکٹر سعید مُختار نے اس کتاب کی تیاری میں بے شمار انگریزی کُتب کھنگالیں، تب کہیں جا کر یہ کتاب تیار ہوئی —
- آپ بھی اپنی زندگی میں ایسی کتاب پہلی بار پڑھیں گے —

○

قیمت اور تاریخِ اشاعت کا اعلان جلد کیا جائے گا۔

انجمن دعوتِ فکر و عمل

۳۵

نجات پانے والے

○ قرآنِ کریم کے پانچویں پارے، سورۂ نسا کے آٹھویں رکوع، آیت نمبر ۵۹ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسولؐ کا کہنا مانو اور جو لوگ تم میں سے اہلِ حکومت ہیں، ان کا بھی کہنا مانو، پھر اگر کسی امر میں (یعنی کسی معاملے میں) تم آپس میں اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالے کر دیا کرو (یعنی وہاں سے جو حکم ملے، اسے قبول کر لیا کرو) اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ امور سب بہتر ہیں اور ان کا انجام بہت اچھا ہے۔

 بہ کے پانچویں رکوع،

آیت نمبر ۳۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا بنا لیا ہے۔

○ قرآنِ کریم کے چھٹے پارے، سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع، آیت نمبر ۲ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ: نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو، گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو، اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

● حدیث: بخاری شریف، جلد نمبر ۲، پارہ نمبر ۱۲، صفحہ نمبر ۵۹، حدیث نمبر ۲۰۷، جہاد کا بیان:

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (امام کی بات) سننا اور ماننا ہر شخص پر ضروری ہے، جب تک کہ اسے کسی گناہ کی بات کا حکم نہ دیا جائے، پھر اگر کسی گناہ کی بات کا حکم دیا جائے تو نہ سننا اور نہ ماننا ضروری ہے۔

● حدیث: صحیح بخاری، جلد نمبر ۳، پارہ نمبر ۲۹، صفحہ نمبر ۵۰۵، حدیث نمبر ۲۱۲۱، شخصِ واحد کی خبر کا بیان:

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک لشکر روانہ کیا اور ایک شخص کو
اس پر امیر بنایا۔ اس شخص نے آگ جلوا کر لوگوں
سے کہا۔ اس میں داخل ہو جاؤ۔ بعض نے داخل ہونے
کا ارادہ کیا، مگر اور لوگوں نے کہا کہ ہم تو آگ سے
ہی پناہ کے واسطے اسلام لاتے ہیں، پھر انھوں نے
یہ ذکر حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے کیا۔ آپ صلی اللہ
علیہ وسلّم نے ان لوگوں سے فرمایا، آگ میں داخل ہو
جاتے تو قیامت تک اس میں رہتے اور باقی لوگوں سے
فرمایا، (اللہ کے) گناہ میں کسی کی اطاعت نہیں ہے،
اطاعت نیک کام کے اندر ہے ــــ

● حدیث ترمذی شریف، جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۱۹۲، حدیث نمبر
۹۵۲، سورۂ توبہ کی تفسیر:

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کہتے ہیں کہ
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا، اس وقت
میرے گلے میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی۔ آپ
صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، اپنے پاس سے اس بت
کو دُور کر دو۔ اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو
[illegible] پڑھتے سُنا (یعنی اوپر کی آیت، ان
[illegible]ں اور درویشوں کو

خُدا بنا لیا ہے) یہ سُن کر میں نے کہا، یا رسول اللہ
(صلی اللہ علیہ وسلّم) انھوں نے تو کبھی عالموں اور پیروں
کو خُدا نہیں بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ایسا
نہیں تھا کہ لوگ ان کو پوجتے تھے، بلکہ جب وہ (پیر
اور عالم) کسی چیز کو ان کے لیے حلال کر دیتے تھے
تو یہ اسے اپنے لیے حلال سمجھتے تھے اور جب کسی چیز
کو ان پر حرام کر دیتے تھے تو یہ لوگ اس چیز کو اپنے
اوپر حرام سمجھتے تھے ــــ

قرآنِ کریم کی مقدس آیات اور احادیثِ مبارکہ آپ نے
پڑھیں۔ مطلب یہ کہ وہ لوگ اپنے پیروں اور مولویوں کے کہنے
پر چلتے تھے، وہ غلط بتا دیں یا درست، جو بات انھوں نے
کہ دی، وہ اس پر عمل کرنے لگے، اسے درست مان لیا،
یہ اس زمانے کی جہالت تھی ــــ افسوس یہی جہالت آج ہمارے
ہاں بھی عام ہو چکی ہے ــــ اجڈ اور ان پڑھ قسم کے مولوی
لوگ قرآن اور حدیث کے خلاف باتیں اپنے واعظوں میں
بیان کرتے ہیں اور سادہ لوح لوگ ان باتوں پر فوراً ایمان
لے آتے ہیں، یا وہ قصّے کہانیاں بیان کرتے ہیں اور ان قصّوں
کہانیوں کو دین سمجھ لیا جاتا ہے ــــ

حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے سے لے کر بعد

تک عیسائیوں میں پوپ اور دیگر پادری وغیرہ اس کرتبے پر مانے جاتے تھے اور اب بھی مانے جاتے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ اگر وُہ کوئی بات عقل کے خلاف بھی بیان کر دیں تو فوراً سوچے سمجھے بغیر مان لی جاتی ہے۔ یہ مذہبی تقلید حرام ہے۔ یہ بات تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو فوراً بلاچون وچرا مانا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کسی کی بات تسلیم کرنے کے قابل ہے تو وُہ صرف اس لحاظ سے ہے کہ وُہ یا تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں یا اس روایت میں سے حکم دیتے ہیں۔

تفسیرِ حقانی، جلد نمبر ۳، صفحہ نمبر ۱۱۹، سورہ آلِ عمران کے ساتویں رکوع کی تفسیر میں ہے:

"مخلوق کی اطاعت خالق کے گناہ میں جائز نہیں اور اس واسطے حرام ہے مرد پر دُوسرے کی ڈاڑھی کاٹنا۔"

مطلب یہ کہ کوئی شخص کسی نائی، یعنی حجام سے کہے کہ میری ڈاڑھی تراش خراش کر دے یا مونڈ دے تو مسلمان حجام کو ایسا کرنا حرام ہے۔

یہ تو دلیل کے طور پر ایک بات لکھی گئی، ورنہ ہر وُہ کام ، اس کام میں مخلوق

کی اطاعت حرام ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں پر یا جس کام میں اللہ تعالیٰ کا گناہ ہوتا ہو، تو اس جگہ پر یا اس کام میں دوسرے کی اطاعت نہ کرنا لازم ہے، کیونکہ قرآنِ کریم سے یہی ثابت ہے۔

○ قرآنِ کریم کے چھٹے پارے، سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع، آیت نمبر ۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ: نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دُوسرے کی مدد کرتے رہو، گناہ اور ظلم میں مدد نہ کرو، اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر شخص کو چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرماں بردار بن جائے، جو حکم ملے، بجا لائے، جن چیزوں سے روک دے، رک جائے، جو گناہ ہو جائے، اس سے خوف کھاتا رہے، آیندہ کے لیے اس سے بچتا رہے۔ ایسے لوگ تمام بھلائیوں کو سمیٹنے والے اور تمام برائیوں سے بچنے والے ہیں۔ دُنیا اور آخرت میں بھی نجات پانے والے ہیں۔

●

آیاتِ کریمہ اور احادیثِ مبارکہ آپ نے پڑھیں، اپنے اردگرد کا بغور جائزہ لیں۔ کہیں آپ ایسے ہی عالموں کے جال میں تو نہیں آئے ہوئے۔

خادمِ انجمن:

اشتیاق احمد

مسئلہ ختمِ نبوّت

موصول ہونے والا ایک خط اور اس کا جواب ___

بخدمت ادارہ مجلس تحفظ ختم نبوت

السلامُ علیکم! عرض ہے، جناب میں آپ کو کچھ اپنی غلطی کے متعلق لکھ رہا ہوں۔ اگر ہو سکے تو معاف کر دینا اور خداوندکریم کے حضور میرے لیے دُعا کر دینا، کیونکہ میں نے جو غلطی کی ہے، وُہ ناقابلِ معافی ہے۔ بات کچھ اس طرح کی ہے کہ میری ایک قادیانی دوست کے ساتھ مُلاقات ہوئی تھی، مگر قبل اس کے دوستی نہیں تھی، صرف اس کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا تھا۔ ایک روز میری اور اس کی مذہبی امور پر بات چل پڑی تو اس نے کہا: دیکھو طارق! آپ لوگ ہم پر بہت ظلم کر رہے ہیں۔" جب میں نے پوچھا کہ بھائی، ہم لوگ آپ پر کون سے ظلم کر رہے ہیں تو کہنے لگا، ہماری مسجدوں سے کلمہ مٹا دیا ہے اور آپ ہمیں کافر کہتے ہیں۔ ہمارا کلمہ ایک، قرآن ایک اور [illegible] ہے۔ میں نے اُس

سے فوراً یہ سوال کر دیا کہ ربوے میں آپ نے یہ تُوردن والا کیا چکر چلا رکھا ہے؟ اس نے کہا، یہ سب جھوٹ ہے، ہمارا جلسہ ہونے والا ہے، آپ میرے ساتھ چلیے۔ میں نے اس کی یہ دعوت قبول کر لی۔ یہ جلسہ دسمبر ۱۹۸۹ء کو سندھ کے شہر باندی میں ہوا تھا۔ میں اس جلسے میں شریک ہوا۔ جب میں جلسہ گاہ پہنچا تو وُہ لوگ بہت اخلاق سے ملے، اتنی محبت تو شاید مجھے اپنوں میں نہ ملی ہو گی۔ اس محبت کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ میں نے مرزا طاہر کے جلسے کی کیسٹ پر کیسٹ سُننا شروع کر دی اور ان کا لٹریچر پڑھنے لگا۔ یعنی ان کی تعلیم سے محبت ہو گئی۔ ان کے ساتھ نمازیں پڑھنا شروع کر دیں۔ جماعت خانے میں میری دن بدن قدر اور عزت بڑھتی گئی، دوستوں میں عزت ملی۔ پُرانے دوست سب ساتھ چھوڑ گئے۔ میری اتنی دعوتیں ہوئیں کہ میں مجبور ہو گیا۔ گھر میں والدہ بھی اس بات پر اعتراض کرتی تو والدہ کو بھی ڈانٹ دیتا اور صاف صاف کہ دیتا، اگر میرے پاس رہنا ہے تو میرے کسی کام میں دخل نہ دو۔ آخر کار سب خاموش ہو گئے۔ میں قریباً ایک سال سے ان کے چکروں میں پڑا ہوا ہوں، نہ تو میں چھوڑ سکتا ہوں اور نہ اپنا سکتا ہوں۔ اب اس موڑ پر کھڑا ہوں۔ آپ خود سمجھ دار ہیں۔ جہاں سے اتنی محبت ملی

ہو، وہاں بے وفائی کس طرح کروں۔ اب میں آپ کو اس لیے خط لکھ رہا ہوں کہ آپ میری مدد کریں۔ مجھے ایسے سوال بتا دیں جو میں ان کے مربی سے کروں اور وہ جواب نہ دے سکے، اسے پتا چل جائے کہ اب یہ ہمارے ہاتھوں سے نکل چکا ہے۔

آپ کا مجھے اس طرح علم ہوا کہ آج شام جب میں نماز پڑھنے مسجد میں گیا تو وہاں پر آپ کا پوسٹر لگا ہوا تھا، جب میں نے وہ پڑھا تو دل پر اثر ہوا۔ آپ ازراہِ کرم مجھے وہ لٹریچر بھی ارسال کریں، جس میں نائیجیریا میں ان کی مسجد پر ان کا کلمہ لکھا ہوا ہے۔ باقی کلمہ اور قرآن تو یہ ہمارا ہی پڑھتے ہیں۔ امید ہے، آپ میری ضرور مدد کریں گے، ورنہ ایسا نہ ہو کہ میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ راستا اختیار کر لوں۔ باتیں تو بہت ہیں، کبھی پنجاب آنا ہوا تو ضرور آپ سے ملاقات کروں گا۔ دعاگو:

طارق جاوید

معرفت سندھ ڈیکوریشن سروس، مسجد روڈ، نواب شاہ (سندھ)

○

جناب طارق جاوید

 ، سے ہوں گے۔ آپ

کا خط ملا، جس میں آپ نے مختصر مگر تفصیلاً اپنے حالات کا تذکرہ کیا ہے، ساتھ ہی قادیانیت سے چھٹکارے کی خواہش بھی آپ کے دل میں موجود ہے۔ تو بھئی خدا بھی ان افراد کی ضرور مدد کرتا ہے کہ جو حق کی تلاش میں رہتے ہیں۔

سب سے پہلے آپ نے اپنے دوست کے بارے میں لکھا کہ اس نے مجھے بتایا کہ مسلمان ان پر ظلم کر رہے ہیں، ان کی عبادت گاہوں سے کلمہ مٹایا جا رہا ہے، کافر کہتے ہیں، کلمہ تو ایک ہے —

یہاں میں آپ کی یہ سب سے بڑی غلط فہمی دور کرنا چاہوں گا کہ مسلمانوں اور قادیانیوں کا کلمہ ایک ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد بی۔اے اپنی کتاب "ریویو آف ریلجنز" (جسے کلمۃ الفصل بھی لکھا گیا ہے) کے صفحہ ۱۵۷، ۱۵۸ پر اس اعتراض کے جواب میں کہ اگر مرزا نبی ہے تو کلمہ آپ مرزا کا کیوں نہیں پڑھتے، کہتا ہے: "بفرضِ محال یہ بات مان بھی لیں کہ کلمہ شریف میں نبی کریمؐ کا اسم مبارک اس لیے رکھا گیا ہے کہ آپ آخری نبی ہیں، تو تب بھی کوئی حرج واقع نہیں ہوتا اور ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت پیش نہیں آتی، کیونکہ مسیح موعود نبی کریمؐ سے کوئی الگ چیز نہیں۔" اسی صفحے پر آگے لکھتا ہے، "پس مسیح موعود خود محمد رسول اللہ ہے، جو اشاعتِ اسلام کے

لیے دوبارہ دُنیا میں تشریف لائے، اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں۔" اس اقتباس کو پڑھ کر خود ہی اندازہ لگائیں کہ مرزائیوں کا یہ کہنا کہ ہمارا اور مسلمانوں کا کلمہ ایک ہے، کس قدر دَجل اور دھوکا ہے۔ آپ کو اس کی فوٹو سٹیٹ بھی بھجوائی جا رہی ہے تاکہ آپ اصل کتاب پڑھ کر ان کے فریب سے آگاہ ہو سکیں۔ ساتھ ہی ایک پمفلٹ بعنوان "کلمہ طیبہ کی توہین" آپ کو ارسال کیا جا رہا ہے، اس بارے میں یہ پمفلٹ بھی آپ کی رہنمائی کر سکے گا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۹ پر ایک اور اعتراض پر کہ اگر مسیحِ موعود واقعی اپنے منکروں کو کافر سمجھتے تھے تو کیوں آپ نے وُہ سلوک روا رکھا جو کافروں سے جائز نہیں۔ جواباً مرزا بشیر احمد لکھتا ہے "غیر احمدیوں (یعنی مسلمانوں) سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں، ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا، ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے۔ جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں۔" (اس صفحے کی فوٹو سٹیٹ بھی آپ کو بھجوائی جا رہی ہے) ان تحریروں کو پڑھ کر آپ پر واضح ہو جائے گا کہ ان کی کتابوں میں کیا لکھا ہے اور یہ سادہ لوح مسلمانوں کو ورغلانے کے لیے کیسے دَجل اور فریب سے کام لیتے ہیں۔

[illegible] "ختم [illegible] [illegible] ے بھجوائے جا رہے

ہیں، جس میں آپ کو حق کی تلاش میں آسانی رہے گی۔ جلد ۸، شمارہ ۸ کے صفحہ نمبر ۱۷، ۱۸، ۱۹ پر آپ دیکھیں کہ مرزا قادیانی نے کس طرح قرآنی آیات کو اپنی کتابوں میں جا بجا غلط لکھا ہے۔ اگر کوئی قرآن ہی کو غلط سمجھتا ہے، اس میں زیادتی یا کمی کرتا ہے تو وُہ مسلمان کیوں کر ہو سکتا ہے۔

آپ نے لٹریچر مانگا ہے کہ جس کا قادیانی مربی جواب نہ دے سکے، تو اس کے بارے میں ایک ہی سوال لکھتا ہوں کہ جس کا قادیانی باوجود کوشش کے آج تک جواب نہیں دے سکے۔ سب سے پہلے آپ یہ مسئلہ ذہن میں رکھیں کہ جو نبی ہوتا ہے، وُہ خود نہیں بولتا، بلکہ اللہ تعالیٰ خود اسے بلاتے ہیں اور جو کچھ اس کی زبان سے نکلتا ہے، وُہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے۔ آسان لفظوں میں یُوں سمجھ لیں کہ نبی کی بات جھوٹی نہیں ہو سکتی۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے بیانات اپنی عمر کے بارے میں:

۱۔ میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں ہوئی۔ (کتاب البریہ)
عمر ۶۸ سال بنی ہے۔

۲۔ جب میرے والد نے اس دنیا کو چھوڑا تو اس وقت میری عمر ۳۴ یا ۳۵ سال تھی۔ (کتاب البریہ)

۳۔ مرزا غلام مرتضیٰ (والد مرزا قادیانی) نے ۱۸۷۶ء میں انتقال کیا۔

(سیرت مسیح موعود)

۴۔ بہت سے اکابر وقت گزرے ہیں جنھوں نے میرے لیے پیش گوئی کی اور پتا بتایا، بعض نے تاریخ پیدائش بھی بتادی جو چراغ دین ۱۲۶۸ ہجری ہے۔ (الحکم ۱۰ اپریل ۱۹۰۴ء، صفحہ ۶)

عمر ۵۸ سال بنی ہے۔

۵۔ میری عمر کے ۴۰ سال پورے ہونے پر صدی کا سر بھی آپہنچا۔
(تریاق القلوب) عمر ۶۶ سال بنی ہے۔

۶۔ جب سلطان احمد پیدا ہوا، اس وقت ہماری عمر صرف ۱۶ سال تھی۔ مرزا سلطان احمد ۱۹۱۳ بکرمی یعنی ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔
(سیرت المہدی) عمر ۶۸ سال بنی ہے۔

۷۔ ۱۳۲۳ ہجری میں میری عمر ۷۰ سال ہے۔ (براہین احمدیہ پنجم)
عمر ۷۳ سال بنی ہے۔

عمر کے بارے میں مرزا کی پیش گوئی یہ ہے کہ میری عمر ۸۰ سال ہو گی، اس سے دو چار سال کم یا زیادہ۔

ان بیانات کو پڑھنے کے بعد ہر شخص جان سکتا ہے کہ مرزا کیا تھا۔ کتنا بڑا جھوٹا تھا۔ اگر اس میں اب بھی شک رہ گیا ہو تو مرزا کے یہ بیانات پڑھیں:

۱۔ جب کوئی ایک بات میں جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسری
(کشتی نوح)

۔ انبیا اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، نہیں بولتے جب تک اللہ نہ بلوائے، کوئی کام نہیں کرتے جب تک اللہ نہ کرائے، وہ اللہ کے ہاتھ میں ایسے ہوتے ہیں جیسے مردہ۔ (ریویو جلد دوم صفحہ ۷۰)

اس ساری تفصیل سے ثابت ہوا، بقول مرزا اس کی عمر ۶۸ سال، ۵۸ سال، ۶۶ سال، ۷۳ سال تھی۔ تاریخ احمدیت کی رو سے ۷۴ سال تھی۔ آپ اس سے کس بات کو درست مانتے ہیں، جبکہ پیش گوئی کی رو سے اس کی عمر ۸۰ سال بنتی ہے۔

آپ مندرجہ بالا سوال قادیانی مربّی کے سامنے رکھ سکتے ہیں، اسے کہیں کہ اس کا درست جواب دے۔

آپ نے لکھا ہے کہ مرزائیوں کا اخلاق بہت اچھا ہے۔ آپ صرف یہ بتائیں کہ اگر کوئی قادیانی مربّی اپنی بیٹی کو اپنے سامنے کسی دوسرے کے ساتھ زنا کے لیے پیش کر دے، اس کا اخلاق کس قدر بلند ہوگا۔ ان واقعات کی تفصیل کے لیے آپ کو ایک منحرف قادیانی "عبدالرزاق مہتہ" کا استغاثہ پیش کیا جا رہا ہے۔ نام ہے "مرزائیوں کی روحانی شکارگاہ"۔ یہ کتابچہ پڑھ کر آپ کو مرزائی اخلاق جھلکتا نظر آئے گا۔

آخر میں آپ نے لکھا ہے کہ کبھی پنجاب آنا ہوا تو ضرور ملاقات کروں گا۔ آپ ضرور آئیں، آپ کو ضرور تسلی بخش جواب

دیا جائے گا۔ فوری الجھن کے حل کے لیے آپ ہمارے نواب شاہ
میں واقع دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت میں بھی ضرور رابطہ کریں،
وہ آپ کو فوری طور پر مطمئن کر سکیں گے، وہاں پر موجود مبلغ
بھی آپ کی رہنمائی میں تعاون کرے گا۔ نواب شاہ میں دفتر کا
فون نمبر ۵،۴۴۴ ہے —

آپ کو خط مختصراً لکھا جا رہا ہے، زیادہ تر لٹریچر بھجوایا جا رہا
ہے تاکہ آپ خود قادیانیوں کے عقائد پڑھ کر فیصلہ کر سکیں۔ ہاں
یہ ضرور کہوں گا کہ ان پمفلٹوں میں جو جو حوالہ جات دیے گئے
ہیں، "عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت" ہر ہر حوالے کی ذمے دار ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ آپ کو مرزائیوں کے
چنگل سے چھٹکارے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام:
غلام حسین
دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت، جھنگ صدر

(نوٹ)

لٹریچر پڑھنے کے بعد اور قادیانی مربی سے گفت گو
فرمائیں ——— شکریہ!

خطوط کے آئینے میں

محترم اشتیاق احمد صاحب، السلام علیکم! تین چار دن قبل میں
اپنے ایک شاگرد کو ٹیوشن پڑھانے گیا تو وہاں ایک چھوٹا سا ناول
"قاتل مجسمہ" دیکھا، جو آپ کی تخلیق تھا۔ ناول تو میں چند منٹ
میں نہ پڑھ سکا، مگر ناول کے آخر میں چند خطوط ضرور پڑھ
لیے، جن میں قادیانیوں کے دینی اور قومی کردار کے پس منظر
میں لکھے جانے والے ایک ناول (خاص نمبر) "باطل قیامت" کا
تذکرہ تھا۔ چونکہ بندہ خود بھی عقیدہ ختمِ نبوت اور ردِ قادیانیت
کا طالبِ علم ہے، لہٰذا بالخصوص ایک کرائے کی لائبریری سے
ناول "باطل قیامت" حاصل کر کے مطالعہ کیا۔ ابھی دس پندرہ منٹ
پہلے فارغ ہوا ہوں۔ ناول میں تبصرے کی دعوت پڑھ کر آپ
کو یہ خط تحریر کر رہا ہوں —

"باطل قیامت" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، ناول کے موضوع
اور مفہوم کو اجاگر نہیں کرتا۔ ناول کے اندر تمام تفصیلات دین
اور وطن کے دشمن جاپانیوں (آپ نے قادیانیوں کی بجائے یہ
لفظ استعمال کیا ہے) کی سازش اور اسلام دشمن منصوبے کے بارے

میں ہیں۔ ناول کا نام کچھ اس طرح کا ہونا چاہیے تھا۔ "تباہ کن منصوبہ، اسلام دشمن سازش، دین کے دشمن، جھوٹا گروہ، عجیب دھوکہ، نقلی مسیح، نقلی ابنِ مریمؑ، دھوکے باز، شیطانی دماغ کی خوف ناک سازش، آستین کے سانپ وغیرہ وغیرہ۔

ناول کی کہانی یقیناً بہت جان دار ہے۔ آپ نے اپنے ادیبانہ انداز میں بہت زیادہ تجسس، حیرانی اور خوف و دہشت کی صورتِ حال پیدا کی ہے اور آہستہ آہستہ کہانی کا رُخ موضوع کی طرف موڑا ہے۔ ختمِ نبوت کے حوالے سے آپ نے چند ایک مستند حدیثوں سے بھی اپنے ناول کو سجایا ہے، لیکن سچا جھوٹا ثابت کرنے کے مراحل میں آپ نے مادی دلیلیں پیش کی ہیں اور پھر سب سے اہم بات یہ کہ حدیثوں میں مسیح موعودؑ کا سرے سے کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہاں مسیح ابنِ مریمؑ کے نزول کی پیش گوئی اور جزئیات ہیں۔ یاد رہے کہ مسیح موعود کی اصطلاح مرزا قادیانی کی گھڑی ہوئی ہے۔ جیسے کہ ظلّی، بروزی، مثیل، متبع نبی کی اصطلا[ح] بھی اسی مرتد و زندیق اور انگریزوں کے کاسہ لیس کی گھڑی ہوئی ہیں۔ آپ نے مسیح موعود کی تکذیب اپنے ناول میں مذکورہ پہلو سے نہیں کی ہے۔ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مسیح کا سلام کہنا اور قبر سے سلام کا جواب آنا واقعی ایک دینی دلیل ہے جو آپ کے

ناول میں ایک بات مجھے بہت کھٹکی ہے۔ اور وُہ ہے بخاری شریف اور تذکرۃ الشہادتین کی عبارتوں میں اختلاف اور مرزائی عالم کا صدر سے ایک ہفتے کی اجازت لینا اور پھر غائب ہو جانا، جب کہ یہ مرزائیوں کی عادت نہیں ہے، بلکہ وُہ لایعنی اور باطل تاویلیں کرتے ہیں۔ مطلب و مفہوم کو توڑ مروڑ کر اپنے عقیدے کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ ان کا یہ عمل مسلسل جاری رہتا ہے اور تاویلات میں تحریفات بھی یہ لوگ اس وقت تک کرتے رہتے ہیں، جب تک کہ ان کا مقصد حاصل نہیں ہو جاتا۔ مرزائی مبلّغ کا فرار، ان کی نفسیاتی عادت کے خلاف جاتا ہے۔

عام سی بات ہے کہ آپ کے ناول سبق آموز، مہماتی، جاسوسی اور فرزانگی کا مظہر ہوتے ہیں، جو کہ بچوں کی نفسیات کو مدِنظر رکھ کر آپ لکھتے ہیں، لیکن اب آپ نے اگر بچوں کو عقیدہ و دین سے متعارف کروانے کی ٹھان ہی لی ہے، جیسا کہ باطل قیامت میں آپ نے کیا ہے، تو آپ کو اس ناول میں عقیدہ ختمِ نبوت کی عام فہم اور سادہ انداز میں گفتگو شامل کرنی چاہیے تھی، تاکہ نونہالانِ ملّت کو اس عقیدے کا بنیادی تصوّر ذہن نشین ہو جاتا۔ بلاریب کہ آپ نے اس موضوع پر چند ایک احادیث نقل کی ہیں، لیکن نظریہ ختمِ نبوت

اور ایمانیات میں اس کی اہمیت اجاگر نہیں کی گئی ۔

دوسرے مسیح کے نزول کا منظر بھی اپنے اندر متعدد دلچسپیاں لیے ہوئے تھا ، مگر یہاں بھی ایک خلاء بہت زیادہ محسوس ہوتا ہے ۔ وہ یہ کہ جعلی مسیح جب دجّال کو بابِ لُدّ پر قتل کرتا ہے ، مگر دجّال کی مسخ شدہ ہیئت اور قتل کا منظر نہیں دکھایا گیا ۔ صرف ریڈیو سے ایک خبر سُنا کر اتنے اہم منظر کو چھپا دیا ۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ انسپکٹرز پارٹی زیرِ سمندر سائنسی سٹیشن میں ٹی وی سکرین پر یہ منظر دیکھتی اور پھر حدیث کی روشنی میں اس منظر کے محاسن و معائب بیان کیے جاتے ۔ اس طرح قارئین کے علم میں دجّال کے بارے میں زیادہ اضافہ ہوتا ۔

مجموعی طور پر آپ کا ناول دلچسپ اور معلوماتی ہے ۔ کرداروں کی نوک جھونک کی زیادتی بھی کھٹکتی ہے ، مگر چونکہ ناول کا FLOW معقول ہے ، لہٰذا یہ نوک جھونک قابلِ برداشت ہے ۔ جھوٹوں (مثلاً سی مون اور اشماریہ) کا انجام عبرت ناک عام مسلمانوں کے ہاتھوں ہونا چاہیے تھا ، نہ کہ اتنا آسان کہ دو لڑکیوں نے انھیں انجام کو پہنچا دیا ۔ اس لیے کہ دین کے دشمنوں کا انجام ہمیشہ عام مسلمانوں کے ہاتھوں ہوتا آیا ہے ۔

اتنا اچھا اور دلیری کے جذبے سے معمور ناول لکھنے پر مبارک باد لیجیے ۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

ایک کاپی "وادیٔ مرجان" کی عنایت فرما دیں تو بہت ممنون ہوں گا ، شاید یہ ناول میرے مطالعے میں کچھ اضافہ کر سکے ۔ آپ کا مخلص :

سید شبیر حسین شاہ زاہد (ایم ۔ اے) ٹریننگ ڈائریکٹریٹ ، نیول ہیڈ کوارٹرز ، اسلام آباد

محترم انکل اشتیاق احمد ، السلامُ علیکم ! آپ کا منی خاص نمبر "قاتل پروگرام" پڑھا ، پسند آیا ۔ آپ کے ناولوں کے ذریعے ہمیں معاشرے کی برائیوں کا پتا چلتا ہے ۔ اس ناول کو پڑھ کر معلوم ہوا کہ انسان دُنیاوی جائداد کے لیے بڑے سے بڑے جرم کرتے ہیں ، لیکن وہ قانون کے لمبے ہاتھوں سے نہیں بچ سکتے ۔ احادیثِ مبارکہ ایمان افروز تھیں ۔

سید نعیم الحق ، ۱۴۴ ۔ آر سیکٹر ۸ ، نارتھ کراچی ، کراچی ۳۶

مکرمی اشتیاق احمد صاحب ، السلامُ علیکم ! "قاتل پروگرام" پڑھا ۔ اس کی دو باتیں میں آپ کو جو دھمکی ملی تھی ، آپ کی طرف سے اس کا صحیح جواب دینے پر میں آپ کو داد دیتا ہوں ۔ اس ناول میں چکروں کا طوفان موجود تھا ۔ مجرم کا اندازہ کرنا گویا ستاروں کو گننا تھا ۔ اس ناول نے کرداروں کے ساتھ ساتھ ہمارے دماغ کی چولیں ہلا دیں ۔

سید عبدالرشید ، مکان نمبر ۲۳۲ ، ۱۱۶/اے نزد روپ محل ، ہیرآباد ، حیدرآباد

گذشتہ ماہ کی مطبوعات

(۳۴۲)

سازش کا شہزادہ (انسپکٹر جمشید + شوکی برادرز) ۱۷/۰۰ روپے

(۵۵)

مارکوش کی چال (تینوں پارٹیوں کا خاص نمبر) ۳۶/۰۰ روپے

(۵۶)

باطل قیامت (تینوں پارٹیوں کا خاص نمبر) ۵۰/۰۰ روپے

(۵۹)

قانون کے چور (آفتاب احمد کی انسپکٹر جمشید سیریز) ۱۲/۰۰ روپے

(۲۵)

(۶۹۰) ۱۰/۰۰ روپے

اشتیاق احمد
کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا مزاح اور جاسوسی
سے بھرپور ناول
اس ماہ کے ناول
(۳۳۳) سانپ کی آستین (انسپکٹر جمشید سیریز) ۱۷/۰۰ روپے
امیرِ عزیمت حضرت مولانا حق نواز جھنگوی ۱۰۰/۰۰ روپے
(۵۷) پُرخوف فتنہ (انسپکٹر جمشید سیریز) ۱۶/۰۰ روپے
(۵۸) بگ باس (انسپکٹر کامران مرزا سیریز) ۱۶/۰۰ روپے
(۵۹) پھانسی گھر (شوکی سیریز) ۱۶/۰۰ روپے
(۶۰) موناش + جیرال (آفتاب احمد کی انسپکٹر جمشید سیریز) ۱۶/۰۰ روپے
آئندہ ماہ کے ناول
پچیسواں خاص نمبر
محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید،
آفتاب، آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا
اور شوکی برادرز کا مشترکہ کارنامہ
(۲۵) سمندر کی آگ ۴۸/۰۰ روپے
(۶۱) شہر کی طاقت (انسپکٹر ارسلان سیریز) ۱۶/- روپے
اشتیاق پبلی کیشنز
۱۲ نصیر آباد ۰ مسلم پورہ ۰ سانڈہ کلاں ۰ لاہور فون نمبر: ۳۲۱۵۳۷
برانچ آفس وی ۶/۸ سیٹلائٹ ٹاؤن - جھنگ صدر
فون: ۳۲۹۵
۴۲۹۵